تحریکِ وہابی و دیوبندی

کے

نشیب و فراز

مؤلف

حضرت مولانا حافظ قاری مفتی

وسیم اختر بلال قاسمی صاحب

نائب خطیب و مفتی الدمام، سعودی عرب

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

تحریکِ وہابی دیوبندی

کے

نشیب و فراز

مؤلف

حضرت مولانا حافظ قاری مفتی

وسیم اختر بلال قاسمی صاحب

نائب خطیب و مفتی الدمام۔ سعودی عرب

تفصیلات

نام کتاب : تحریکِ وہابی دیوبندی کے نشیب و فراز

مؤلف : حضرت مولانا حافظ قاری مفتی وسیم اختر بلال قاسمی

مقدمہ : مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مدظلہ

صدر مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

صفحات : ۵۶

کمپیوٹر کتابت : عمرالٰہی، دیوبند

سن اشاعت : دسمبر ۲۰۱۴ء

باہتمام : عظیم بک ڈپو دیوبند

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

تحریر میری تدبیر آپ کی وسیم قاسمی ۶
مقدمہ [کشمکش کا حل] مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی ۷

باب اول

تحریک اسلامی کے چند ادوار ۹
برصغیر میں بزرگان دین کی سرگرمیاں ۱۰
عرب ممالک کی حالت ۱۲
زوال اپنے عروج پر ۱۴
تعارف عبدالوہاب نجدی ۱۵
عقائد وہابیت ۱۶
شاہ عبدالعزیز کا کارنامہ ۱۹
چند ادارے ۲۳
دعوت کے اثرات ۲۵

باب ثانی

شاہ اسماعیل کی عبدالوہاب سے ملاقات ۲۶
مولانا قاسم نانوتوی ۲۷
شیخ الہند ۲۸
شیخ الہند کا ماسٹر پلان ۲۹

باب ثالث

نظریاتی انقلاب ۳۳

سیاست ۳۵

نظام الٰہی کا چارٹ ۳۶

لادینی سیاست کے مضر اثرات ۳۸

جمہوریت کے اثرات ۳۸

اسلام اور جمہوریت ۳۹

قومیت کے اثرات ۳۹

مشرقیت یا مغربیت کے اثرات ۴۰

باب رابع

نظریہ میں تزلزل ۴۳

مشن شیخ الہند پر حالات کے اثرات ۴۴

اسلامی قومیت ۴۵

نظریہ قومیت کا اثر ۴۶

باب خامس

دو قومی نظریہ ۴۸

پہلی منزل یا راہ منزل ۵۰

نجات ۵۱

دو برائیاں: بدعت، سیاست ۵۲

علاج ۵۳

تحریر میری، تدبیر آپ کی

آغاز دنیا سے اچھائی برائی کا سنگم نہ ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے دونوں کے الگ الگ راستہ ہیں۔ مگر اکثر برائی اپنے غلبہ اور فائدہ کے لئے اچھائی کا روپ دھار کر سامنے آجاتی ہے اس کا مکروہ چہرہ کسی بھی نقاب کے پیچھے ہو اللہ کے اچھے بندے اور دانشور اس چہرے کو پہچان لیتے ہیں اور اس کو بے نقاب کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں نقاب سبائیت کا ہو یا یہودیت ،فرقہ واریت ہو یا لادینیت کا اس راستہ میں بڑی بڑی قربانیاں دیتے ہیں، چاہے وہ ہابیل کی قربانی ہو یا آتش نمرود میں کودنے کا مرحلہ ہو بئر یوسف میں ڈوبنا ہو یا فرعونی دربار ہو آرے سے کٹنا ہو یا صلیب عیسوی پر چڑھنا ہو، ہو طائف کی گلیاں ہوں یا مکہ کی پتھریلی زمین بدر کا میدان ہو یا کربلا کا مقام، حجاز کی سرزمین ہو یا عجم کی بھوی۔ ہر صدی میں مجتہدین وقت نے قوم کو جگایا، اٹھایا، اور راہ راست پر لگایا۔

الحمد للہ یہ کام ہر سرزمین میں مختلف ناموں سے ہوتا رہا۔ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ عبد الوہاب نجدی اور مولانا قاسم نانوتوی نے ایک ہی راہ چنی۔ بس اتنا فرق ہوا کہ مولانا قاسم رحمۃ اللہ کے افکار پر وقت کا گرد وغبار پڑ گیا اور تحریک وہابیت کو مادی طاقت کا تعاون مل گیا۔ انشاء اللہ کامرانی دونوں کے قدم چومے گی۔ اور ایک آفاقی اتحاد پوری دنیا کی فلاح کے لئے اور اخروی نجات کے لئے ضرور ہوگا۔ جس کا مکمل لائحہ عمل چودہ سو سال پہلے آچکا ہے۔ اسی بکھرے خواب کو چند مختصر سے لفظوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین خود فیصلہ فرمائیں گے۔ اگر باتیں ذہن نشیں ہوتی ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا ورنہ میری کوتاہی۔ جس پر میں ہمہ وقت آپ کی تنبیہات کا منتظر رہوں گا۔

خادم اسلام

[مولانا حافظ قاری عالم فاضل]

وسیم اختر بلال قاسمی

الدمام۔ سعودی عرب یکم جنوری ۲۰۱۴ء

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین وصلاۃ اللہ وسلامہ ورحمتہ وبرکاتہ علی صفوۃ عبادہ وخیرتہ من خلقہ محمد عبدہ ورسولہ وعلی اھل بیتہ الطاھرین وصحابتہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

حق وباطل کی کشمکش نئی بات نہیں ہے، آغاز سے یہ سلسلہ جاری ہے اور شاید چلتا رہے گا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز۔۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

قابل مبارکباد ہیں وہ مردان حق جنہوں نے راہ حق میں ہر طرح کی قربانیاں پیش کر کے سچائی کے اجالے پھیلائے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کندایں عاشقان پاک طینت را

باطل نے اپنے زور اور بے پناہ طاقت کے باوجود ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا ہے۔ وسائل و ذرائع کے باوجود عیاری اور مکاری کے شیطانی جال تارتار ہوتے رہے ہیں۔ طاقتور اور ترقی یافتہ قوموں کا عروج اور پھر ان کے زوال کی داستانیں تاریخ کے صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور جن کو خالق کائنات نے سوچنے والے دل ودماغ دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان دیے ہیں وہ ان قوموں کے عبرتناک انجام سے بہت کچھ سیکھتے ہیں جن کے اپنے وقت میں ڈنکے بجتے تھے۔ مگر اب ان کا نام ونشان بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

گذرے ہوئے زمانہ کے فرعون ہوں یا موجودہ زمانہ کے آمرین وقت انجام کی یکسانیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے باطل مٹنے ہی کے لئے آیا ہے اور اس کو مٹنا ہی ہے۔

اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ نور حق کو مکمل کر کے رہے گا چاہے کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔

ناز کیجیے ان لوگوں کی سعادت مندی، خوش بختی اور ان کے نصیبے کی رفعت پر جو کاروان

حق کے رفیق رہے ہیں وہ چاہے دہلی کے شاہ ولی اللہ محدث ہوں عرب کے عبدالوہاب نجدی ہوں یا دیوبند کے مولانا قاسم نانوتوی ہوں۔ اللہ کے دین کے لئے ان سب کی جدوجہدان کی کاوشیں اوران کی قربانیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

بڑی مسرت ہے ہمارے ممتاز فاضل مفکر اور صاحب بصیرت عالم دین مولانا وسیم اختر بلال قاسمی نے یہ رسالہ مرتب کیا ہے جس کا نام (تحریک وہابی دیوبندی کے نشیب وفراز) ہے۔

مولانا نے اس رسالے میں دونوں تحریکوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دراصل یہ دونوں ہی تحریکیں ایک عالمی اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لئے برپا کی گئیں تھیں۔ انہوں نے اپنے رسالہ میں ایک بہت ہی اہم بات لکھی ہے کہ حفید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ملاقات مولانا عبدالوہاب نجدی سے ہوئی اور دونوں کے درمیان چارنکاتی فارمولے پر اتفاق ہوا۔ مولانا اپنے رسالہ میں ان تحریکوں کی مقصدی یکسانیت کو سامنے لاکر یہ امید رکھتے ہیں کہ ایک آفاقی نظام قائم ہونا چاہیے اور سب کا ایک روحانی مرکز ہو جس سے سب وابستہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ مولانا کی تمام باتوں سے پورا اتفاق نہ کیا جائے۔ لیکن اس تحریر میں کچھ مفید اور قابل توجہ پہلو ایسے ضرور ہیں جن پر غور کیا جانا چاہیے۔

مولانا کی صحت وعافیت اوران کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچنے کی اللہ تعالی سے دعاء کرتے ہوئے امید ہے ان کی فکر وتحریر سے ملت مستفید ہوتی رہے گی۔

[مفتی] فضیل الرحمن ہلال عثمانی

۲۸/ دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۴/صفر ۱۴۳۵ھ، بروز ہفتہ

دارالسلام اسلامی مرکز، مالیر کوٹلہ [پنجاب]

موبائل: ۰۹۴۱۷۶۸۶۹۵۰ فون نمبر ۰۱۶۷۵۲۵۱۱

باب اوّل

تحریک اسلامی کے چند ادوار

سترہویں صدی عیسوی میں تحریک اسلامی مختلف ناموں سے وسط ایشیا میں بیدار ہوئی، ان میں سے حجازی تحریک اور ولی اللٰہی تحریک کا مختصر سا تجزیہ قارئین کے سامنے ہے

تحریک اسلامی کا چار مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے آمنوا، اعملوا، اقیموا، اظھروا،

ا۔ آمنوا، ایمان لاؤ۔ یعنی پند و نصیحت اور دلائل کے ذریعہ عقائد کی اصلاح۔

۲۔ اعملوا عمل صالح کرو، ہر وہ عمل جو اللہ کو پسند ہے اس کو خلوص دل سے کرنا۔

۳۔ اقیموا، اقامت دین، یعنی ماننے والوں پر اسلامی قانون (معروف، منکر) کو نافذ کرو

۴۔ اظھروا علی الدین کلہ، نہ ماننے والوں پر [بھی] دعوت دین پیش کرو۔

پہلے دو مرحلے مکی دور کی یاد تازہ کرتے ہیں، آخر کے دو مرحلے مدنی دور کی یاد دلاتے ہیں۔

[۱] اس کے بعد ۔۔۔۔۔خلفاء راشدین کا دور۔ سنہرا دور

[۲] پھر اموی دور۔۔۔۔۔۔۔[ہشام بن عبد الملک تک]

[۳] پھر عباسی دور۔۔۔۔۔۔منصور السفاح سے زوال بغداد تک

[۴] پھر عثمانی دور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۱۸ء تک

اس کے بعد دور آفاقی کا عملی ثبوت نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ عالمگیر مشن وطنیت میں سمٹا ہوا، یا اکائیوں میں بٹا چھٹا ہوا ہی نظر آتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں اسلامی حکومت کی نئی داغ بیل ڈالی گئی تھی جو نئی بنیادوں پر قائم اور دینی روابط پر استوار ہوئی چنانچہ اس عالمگیر مشن نے اہل عرب کا انتشار اور اختلاف ختم کر کے ان کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا ان میں باہمی اتفاق و اتحاد کی روح پھونک دی اور بلا امتیاز ان سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور خلافت راشدہ کے دور میں اس وحدت کی دیوار کو مزید استحکام حاصل ہوا اور اس کی بنیادوں

کو تقویت حاصل ہوئی۔ بنا بریں اب مسلمانوں کو موقع نصیب ہوا کہ وہ جزیرہ عرب سے فاتح بن کر جائیں اور دوسرے ملکوں کو فتح کریں اور ان کو اسلامی عقائد سے روشناس کرائیں تاکہ لیظھرہ علی الدین کلہ کا عملی مظاہرہ ہو۔ چنانچہ ان کی سلطنت کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا گیا حتی کہ براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کے ممالک ان کے زیر نگین آگئے اسلام کی برکت سے مختلف رنگ ونسل کے لوگوں میں ایسا زبردست اتحاد پیدا ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی، اسلام دشمن اسے دیکھ کر دل ہی دل میں جلتے تھے وہ اپنا مقام کھو چکے تھے اسلام کی شان وشوکت اس کا عروج ان کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ اندر ہی اندر جلتے اور کڑھتے تھے اپنی کمزوری اور بے کسی کا احساس بھی تھا۔ چنانچہ اسلامی وحدت کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لئے ایسی تدبیریں سوچیں جو مسلمانوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ یہ تدبیرین انڈو پاک اور سرزمین حجاز دونوں میں کارگر ہوئیں اور انہوں نے مسلمانوں کی وحدت کی دیوار میں شگاف ڈال دیے جس کے نتیجہ میں پانچویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا زوال اپنے عروج پر تھا ان کے اتحادی قلعہ میں اتنے شگاف پڑ گئے تھے کہ صلیبیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ تاتاریوں کو قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لاقانونیت کا راج ہوگیا، مذہب کے نام پر بدعات وخرافات کا رواج ہوگیا جہالت کا دور دورہ ہوگیا۔ شاذ ہی کوئی عالم نظر آتا۔ ناخواندہ مشائخ کی کثرت ہوگئی دولت عثمانیہ کے زوال کے اثرات چہار سونمایاں ہوگئے تھے، برصغیر میں مجدد الف ثانی۔ پھر شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان سرزمین عرب میں ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ نے ان سازشوں کا بھرپور مقابلہ کیا۔

برصغیر میں بزرگان دین کی سرگرمیاں

سترہویں صدی کے اواخر میں برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانی کی جدوجہد فکری اصلاح تک محدود تھی کیوں کہ اس وقت تک نظام اسلامی کی گاڑی چل ہی رہی تھی بلکہ عالمگیر کے دور

میں تو بہت بہتر نظام تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل یعنی ۱۷۰۳ء میں شاہ ولی اللہ دہلی میں پیدا ہوئے اور صرف ۶۱ سال کی عمر میں ۱۷۶۳ء میں انتقال ہو گیا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان میں مغلوں کی سیاسی قوت کا زوال شروع ہو گیا اور پورا ملک تیزی سے انتشار کی گرفت میں چلا گیا اس زمانہ میں نادر شاہ نے دہلی کو لوٹا وسط ہند اور مہاراشٹر صوبے میں مرہٹوں نے غلبہ حاصل کیا مختلف صوبوں کے گورنر خود مختار بن گئے شمالی ہند میں سکھوں کے فوجی گروہ نے سر اٹھالیا، انگریزوں نے بھی ہندوستان کی سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا، گویا امام شاہ ولی اللہ کے دور میں نظام کافی فرسودہ ہو چکا تھا چنانچہ اپنے دور کے نظام کی اور ہالنگ کرنے کے لئے ''فک کل نظام'' کا نظریہ دیا تا کہ عادلانہ صالحانہ نظام کا قیام ہو سکے۔ خاص کر مغل سلطنت کے زوال کے بعد ملت اسلامیہ کو رام راج کا لقمۂ تر بننے سے بڑی حکمت عملی سے بچایا [اس وقت بے شمار ہندو تنظیمیں بنی شروع ہو گئی تھیں، تقریباً پانچ سو پینسٹھ رجواڑے ہندوستان میں تھے جس کو ۱۸۵۷ء کے بعد ''پیرامانسی'' کہا گیا، گویا الگ الگ چھوٹے چھوٹے خود مختار ملک] شاہ صاحب نے تجدید احیاء دین کا کام اپنے ہاتھ میں لیا، اور صرف نظریہ ہی نہیں بلکہ چند عملی اقدام بھی کیے اس سلسلہ میں احمد شاہ ابدالی سے بھی رابطہ قائم کیا۔ چند اعلیٰ طبقوں سے بھی اس انقلابی دعوت کے لئے رابطہ کیا، اس عالمگیر مشن اسلامی کیلئے شاہ صاحب کا ''فک کل نظام'' ایک ذریعہ تھا، اسی طرح شاہ عبدالعزیز کا ''جنگ آزادی'' کیلئے فتوی اس ''عالمگیر مشن'' کیلئے ذریعہ تھا [جو بعد میں ہدف مسلمین بنتا چلا گیا] درحقیقت شاہ صاحب نے اپنی بصیرت سے مستقبل کے انقلاب اور اس کے ساتھ لادینیت کے سیلاب کو بھانپ لیا تھا۔ حالاں کہ شاہ صاحب کا انتقال ۱۷۶۳ء میں ہوا جس کے ۲۶ سال بعد انقلاب فرانس آیا جسے جمہوریت یا آزادی کی بنیاد کہا جاتا ہے اسی طرح ۵۵ سال بعد کارل مارکس پیدا ہوا جسے اشتراکیت اور معاشی انقلاب کا داعی اول کہا جاتا ہے مگر تقریباً سو سال پہلے ہی شاہ صاحب نے اسلام کا سیاسی اقتصادی معاشی اور تہذیبی پروگرام قرآن وحدیث کی روشنی میں مدون اور متعین فرما دیا

تھا[جس کا ثبوت حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء جیسی کتابیں ہیں]، جو یقیناً ایک عالمگیر مشن کی کامیابی کا ضامن تھا شاہ صاحب نے اپنا کام اودھ جنوبی ہند سندھ اور بیرون ہند حجاز، تک پھیلا دیا تھا[ممکن ہے تحریک وہابیت یا اس انداز کی تحریکیں فکر ولی اللہی (جو تمام افکار کا شجر طوبیٰ کہلاتا ہے) اس کا ہی پرتو ہوں جس کو خانوادہ ولی اللہی نے انتھک کوشش سے ایک تناور درخت بنا دیا تھا] درحقیقت کارل مارکس اور انقلاب فرانس کے مدعیین اور متبعین کو میڈیا اور پروپیگنڈہ کی شکل میں وہ طاقت مل گئی تھی جو خود انہوں نے سترھویں صدی میں ٹیکنولوجی کے ذریعہ حاصل کی تھی، شاہ صاحب نے تھیوریکل اصول فراہم کر دیے تھے مگر عملاً ان کو اس کا پورا موقع نہیں ملا، کیوں کہ برصغیر میں اغیار چھا گئے سلطنت مزید کمزور ہو گئی۔ ۶۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

عرب ممالک کی حالت

ادھر عرب ممالک میں کچھ سازشیں اور تدبیریں اسطرح جاری تھیں کہ تدبیریں پرانی تھیں مگر نئے ہتھیار کے ساتھ، مثلاً۔ عقیدہ نبوت پر حملہ جو کہ پرانا حربہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ

[۱] کسی قبیلہ [بنی حنیفہ] نے مسیلمہ کو اور کسی قبیلہ [اہل یمن] نے اسود العنسی کو نبی بنالیا، تھا۔

[۲] ابو منصور [منصوریہ فرقہ کے بانی] نے کہہ دیا تھا کہ علی رسول تھے بلکہ میرے چھ پشتوں تک نبی آتے رہیں گے۔

[۳] ابوالخطاب [خطابیہ فرقہ] کا فرمان تھا کہ شیعوں کے سارے امام نبی ہیں اور معصوم ہیں۔

[۴] مغیرہ [مغیریہ فرقہ کے بانی] کا قول کہ میں خود نبی ہوں۔

[۵] محمد بن نصیر النمیری [نصیریہ فرقہ کے بانی] کا دعویٰ نبوت۔

[۶] یزید بن انیسہ [خوارج کا ایک فرقہ کا ذمہ دار] کا قول ایران میں ایک نبی پوری کتاب لائے گا۔ یا قبیلہ قبیئیہ کی ایک عورت ''لعہ'' کا کہنا کہ ''لا نبی بعدی'' میں ''لا'' میرے لئے کہا گیا ہے۔

[جیسا کہ برصغیر میں جناب قادیانی نے کہہ دیا کہ مقام ''لد'' لدھیانہ کو کہا گیا ہے اور نبوت کا تاج خود ہی اپنے سر پر سجالیا] ان کے دلائل کچھ نہیں تھے بلکہ صرف جذباتی باتیں یا پر فریب نعرے اور خوشنما دعوے ہی تھے [الملل والنحل] اسی طرح غیر اسلامی تصوف۔ جس کا بنیادی فکر خدا تک پہنچنے کے لئے رسول کی اقتدا ضروری نہیں۔ احمد بن کیال شعیہ کے ایک فرقہ [کیالیہ] کا بانی کہتا ہے کہ انبیاء ان اہل تقلید کے پیشوا ہوتے ہیں جن میں بصیرت نہیں ہوتی مگر القائم [کسبی ولی] اہل بصیرت کے پیشوا ہوتے ہیں۔ یا اس کے برعکس صرف اور صرف نبی پر ہی دارمدار جو کہ آج بھی برصغیر میں ایک جماعت کے اندر عشق نبی کے نام سے پروان چڑھ رہا ہے۔ گویا تو خدا نہیں مگر جدا نہیں کا نعرہ دلوں میں بٹھایا جارہا ہے [الملل والنحل، ج۱ ص ۱۸۳] اسی طرح ایک سبب لادینی منطق اور فلسفہ جس کو امام غزالی جیسے لوگوں نے کچھ سنوارنا چاہا مگر اس منطق، فلسفہ اور جاہلانہ تصوف کی آمیزش سے، وحدت الوجود جیسے [فلسفیانہ] مسئلوں کی تخلیق ہوئی۔ خلق قرآن کا فتنہ برپا ہوا، منصور کا انا الحق سامنے آیا ،اور پھر ہر رائے کی تائید میں موضوع اور ضعیف احادیث کی لائن لگ گئی۔ فتنہ موضوع احادیث نے عجم جا کر ایک اور فتنہ کو جنم دیا جس کو ''وحدت ادیان'' کہا جاسکتا ہے [یعنی سب کی منزل ایک ہے راستے مختلف۔ گویا رسول یا اس کے طریقہ بھی دوسرے رشی منیوں کی طرح ایک ذریعہ ہے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے] جس کی آبیاری جوگ ازم اور رہبانیت نے کردی باقی جو بچا وہ فلسفہ ایرانیت اور شعیت نے پورا کردیا اس کی مخالفت میں ایک فتنہ اور جاگا جس کو انکار حدیث کہا جاسکتا ہے، اس نے اسلام کی بنیادیں ہی ہلادیں، اطاعت رسول صرف آں حضرت کی زندگی تک محدود کردی۔ حتی کہ قرآن میں شکوک وشبہات نکالنے کی ناکام

کوشش کر دی جیسے سورہ یوسف ایک قصہ ہے جو قرآن کا حصہ نہیں، معوذتین صرف ایک دعاء ہے قرآن نہیں۔ اور آخر میں توحید کی بنیادیں اکھیڑ کر اس میں ہزاروں رنگ کے اصنام بھر دیے گئے۔ ان تمام حملوں کے باوجود ایک نہایت ہی خطرناک تدبیر اختیار کی اور ایک دیرپا سازش کی تکمیل اس طرح کی کہ۔ وہ اپنی زبان سے اعلان کرنے لگے کہ ہم آغوش اسلام میں آگئے لیکن ان کے دل نور ایمان سے منور نہیں تھے۔ ان کو مسلمانوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کا بھی شوق نہیں تھا بلکہ یہ ساری کارروائی فریب پر مبنی تھی ان سب کا نقطہ نظر اسلام کی ردائے عظمت کو داغدار کرنا تھا امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی کرنی تھی۔ اسلامی حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کرنا تھا۔ اسلامی خدوخال کا حلیہ بگاڑنا بلکہ بدلنا تھا، لہٰذا مختلف طریقوں سے اسلامی امپائر میں نفاق کا زہریلا بیج بو کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور ایک گہری سازش کے تحت پہلا کام یہ کیا کہ مختلف ناموں سے بے شمار فرقہ پیدا کر دیے پھر فرقہ بندی اور گروہ بندی کو اتنی شدومد سے ابھارا گیا کہ ہر گروہ ایک دوسرے پر تکفیری فتوے داغنے لگا۔ ہر گروہ کے خیالات افکار بنے پھر افکار عقائد بن گئے اور اس پر اس حد تک جم گئے کوئی جماعت اطاعت رسول کی منکر ہوئی، تو کوئی عشق رسول میں غلو کرنے والی بنی کوئی موضوع احادیث کا کاروبار کرنے والی ہو گئی کوئی جماعت اللہ سے اس طرح جوڑ لگانے والی بنی کہ وحدت الوجود کے فلسفہ کو عوام الناس تک پہنچا دیا، بقول شاعر راشد خلادی پورے جزیرہ عرب میں فسق و فجور شب دیجور کی طرح چھا گیا اس کے بعض اشعار کی ترجمانی کچھ اس طرح ہے۔

زوال اپنے عروج پر

خود مدینہ منورہ میں شرکیہ امور.................. عشق نبی کے بہانے، ان کا دخول
جدہ میں ایک ساٹھ ہاتھ لمبی قبر تھی............ جس پر خرافات کا کافی اثر

مکہ میں ابو طالب کا مزار .... فریاد رسی کا اڈہ ہوا شمار

طائف میں ابن عباس کی قبر .... ہر سماوی خبروں کا بن گئی مرکز خبر

غار غیبرا میں بنا کر جھوٹا آستانہ .... قبر زید ابن خطاب کو بنایا آشیانہ

لڑکی قطیف کی گر نہ ہو اس کی شادی .... برہنہ ہو کر درخت پر وہ لٹک جاتی

اور مانگتی اس متبرک درخت سے .... کہ بھیج دو کوئی ور اپنی اعانت سے

کوہ عارض میں لٹی کسی کی عزت .... مظلومہ تھی کنواری تھی با عصمت

اس کی بھوکی روح کیلئے روٹی ڈالتے .... کنواریوں کیلئے عصمت کی دعا مانگتے

اس انداز کے اشعار اس وقت کے حالات کی غمازی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ایک طرف تو صحیح اسلامی افکار و عقائد بلکہ حکومتیں تک ان بدعات و خرافات کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہنے لگیں تو دوسری جانب چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی علم بغاوت بلند کر کے ڈیڑھ اینٹ کی اپنی اپنی حکومتیں قائم کرنے لگیں رہزنوں نے رہبروں کے تاج پہن لئے امن و سلامتی کو سب ترس گئے، بقول امریکی مورخ لوثرپ بارھویں صدی میں اسلام کا آفتاب برائی کے افق میں غروب ہو چکا تھا۔ چاروں طرف خرافات کے اندھیرے چھا چکے تھے، علم کے چراغ گل ہو چکے تھے چاروں طرف جہالت کی آندھیاں زور شور سے چل رہیں تھی۔ اہل علم کے بجائے جاہل پیشواؤں کی کثرت جاہل فقیروں اور درویشوں کے ٹولے گلے میں لمبی لمبی تسبیحات اور تعویذات لٹکائے پھرتے تھے۔ یہاں بھی مسلمانوں کا زوال اپنے عروج پر تھا۔

تعارف عبدالوہاب نجدی

ایسے حالات میں جب عالم اسلام جاہلیت کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک صحرائے عرب میں ایک روشنی کی کرن ابھرتی ہے، جس کا نام امام محمد بن عبدالوہاب تھا آپ کی پیدائش شہر عیینہ میں ۱۱۱۵ھ میں ہوئی، آپ کے والد کا نام عبدالوہاب۔ دادا کا نام سلمان بن علی، خاندان آل مشرف جو آل وہیب کی ایک شاخ اور منات بن تمیم کے قبیلے سے

ہے، دس سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے تھے ذہانت کا یہ عالم کہ بچپن سے ہی علمی نکات بیان کرتے ابتدائی تعلیم کے بعد مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات اور عبداللہ ابراہیم بن سیف سے سند فراغت حاصل کی، بصرہ میں شیخ محمد مجموعی سے تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کا مزید سبق حاصل کیا، عبدالرحیم کردی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے، تاریخ بتاتی ہے کہ اصفہان اور بغداد بھی علم ہندسہ وریاضیات، فلسفہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تحصیل علم کے لئے مزید اسفار کا تذکرہ بہت سی کتابوں میں ملتا ہے، جس میں حلب، دمشق، بیت المقدس، قاہرہ اور مکہ وغیرہ بھی شامل ہیں، ایام شباب میں ہی قرآن وحدیث کا درس دیا کرتے تھے، آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں کتاب التوحید، کشف الشبہات، مختصر زاد المعاد، الاصول الثلاثہ، کتاب الکبائر، وغیرہ معروف ہیں۔

عقائد وہابیت

اللہ کی ذات وصفات پر اس کے رسول اس کے فرشتوں پر اور ہر غیب جو نص میں منقول ہیں سب پر ایمان، اس کی ذات میں نہ تشبیہ ہے نہ تحریف نہ تمثیل نہ تعطیل وعید کے معاملہ میں وعیدیہ کی طرح نہ بہت سخت نہ مرجیہ کی طرح بہت نرم، ایمان کے معاملہ میں معتزلہ یا حرویہ کی طرح نہ اتنے سخت ایک گناہ پر کفر کا فتویٰ نہ مرجیہ اور جہمیہ کی طرح نرم کہ کلمہ پڑھنے کے بعد گناہ سے کوئی نقصان نہیں، بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کی گئی تعظیم صحابہ میں روافض کی طرح نہ تو حضرت علی کی الوہیت کے قائل نہ خوارج کی طرح صحابہ کے ایمان پر حرف گیری، قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں عذاب قبر اعمال کا حساب، پل صراط برحق ہے، رسول کی شفاعت برحق ہے، آپ خاتم النبیین ہیں امت میں افضل ترین ابوبکر پھر عمر عثمان وعلی پھر عشرہ مبشرہ، اہل بدر، اہل بیعت رضوان اور بقیہ صحابہ کرام، اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق، امام وقت کی پیروی کی جائے بشرطیکہ معصیت کا حکم نہ ہو، ایمان تصدیق بالقلب اقرار باللسان عمل بالارکان، ہے اپنے عقیدہ کی جان ومال آبرو کی حفاظت کے لئے جہاد ضروری ہے، اسلامی اصول امر

بالمعروف نہی عن المنکر بھی ہے اس انداز کا خط شیخ عبدالوہاب نے اپنے عقیدہ کے متعلق اہل قصیم کو لکھ کر بھیجا تھا، اس زمانہ کے حساب سے آپ نے ایک چار نکاتی علاج تجویز کیا جس میں سب سے پہلے عقائد کی اصلاح تھی جو آمنوا کے تحت آتی تھی۔ پھر اس پر عمل کرنا، پھر اپنوں سے اور غیروں سے عمل کرانے کی کوشش درس وتدریس کے زمانہ ہی میں ہی اسلامی تحریک کے اس چارنکاتی فارمولہ پر عمل کی تیاری شروع کردی جس کے بنیادی اصول کچھ اس طرح تھے۔ [۱] ایجابی دعوت، پند ونصائح کے ذریعہ عقائد ذہن نشین کرانا، بٹے ہوے اذہان وافکار کو ایک مرکزیت کی طرف لانا، [۲] عملی دعوت، ہر مثبت فکر کو عملا اختیار کرانا، ہر منفی عقیدہ کو ترک کرنے کی تلقین، [۳] نفاذی مرحلہ، اس میں خصوصا ترک عمل پر قانونی کاروائی، جس کے لئے قوت کا جائز استعمال [۴] عالمگیر دعوتی مشن، حالات حاضرہ کے ذرائع ابلاغ اور آلات حاضرہ کے تعاون سے، آفاقی دعوت کو انجام دینا [اگر غور کیا جائے تو یہ فارمولہ آمنوا، اعملوا، اقیموا، اظہروا کا مظہر ہے] شیخ نے شہر حریملا میں درس وتدریس کے ساتھ ہی پہلے مرحلہ کے لئے پہلا قدم اٹھایا جس کو لوگوں نے سلفی دعوت کا نام دیا۔ پہلے خاموش دعوت چلتی رہی مگر والد کے انتقال کے بعد شہر عینیہ میں اعلانیہ علم دعوت اٹھالیا جہاں کے حاکم عثمان بن معمر نے بھی ساتھ دیا، جس کی وجہ سے بہت جلد دعوت قولی مرحلہ سے عملی مرحلہ (گویا آمنوا سے اعملوا کے مرحلہ) میں داخل ہو گئی گویا اسلامی احکام کا عملا پابند ہونا ضروری قرار پایا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ جہاں سے تحریکیں کروٹ لیتی ہیں، اور اعداء واغیار بل کھا کر اٹھ بیٹھتے ہیں، یہی فطری عمل عبدالوہاب کے ساتھ ہوا، اندرونی اور خارجی رکاوٹیں بڑھنی شروع ہوئیں، ایک جانب سلفیت کے عقائد پر انگلیاں اٹھیں تشدد کا طعنہ ملا، تو تجسیم کا الزام دیا گیا کبھی گستاخ انبیاء واولیاء کی پھبتی کسی گئی، کبھی کرامات اولیاء کا منکر قرار دیا گیا، کبھی ائمہ فقہ کی اہانت کرنے والے بتایا گیا، جبکہ دوسری جانب حاکم وقت سلمان بن محمد نے بھی رکاوٹیں ڈالنی شروع کردیں، خلافت عثمانیہ کا غدار مشہور کیا گیا، ترک عرب میں عصبیت پیدا کرنے والا کہا

کیا، کہا جاتا ہے جو تحریک مقبول ہوتی ہے اس کا استقبال بے شمار رکاوٹیں کرتی ہیں، مجبوراً شیخ نے عینیہ چھوڑ کر درعیہ شہر کا رخ کیا، درعیہ آمد بڑی بابرکت ثابت ہوئی، بلکہ تاریخ میں تبدیلی کا ایک مرکزی نقطہ بنی، ایک صحیح اثر میں مذکور ہے، جس طرح قرآن برائیوں کو روکنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی طرح ایک اچھی حکومت وقت بھی بہت سی برائیوں کو روکنے کا ذریعہ بنتی ہے یہاں سے ''تیسرے مرحلہ'' کا آغاز ہوتا ہے، چنانچہ امام بن عبدالوہاب نے محسوس کیا کہ اس دعوت کی نشرواشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور پیروی کے لئے طاقت وسلطنت نہایت ضروری ہے، لہٰذا ایسی طاقت کی تلاش شروع ہوئی جو اس تحریک کے لئے ممدومعاون ہو اور اس کے اعلان کرنے اور نافذ کرنے میں ان کی تائید کرے اس گمشدہ چیز کو تلاش کرتے کرتے آخرکار شہر درعیہ میں اس کو پایا یہاں اس دعوت کو خارجی خطرہ تھا نہ داخلی، یہاں کوئی بیرونی طاقت عینیہ کی طرح مسلط نہیں تھی نہ ہی حریملا کی طرح داخلی طاقت، مزید برآں ''تحریک'' نے محمد بن سعود کی شخصیت میں گوہر مقصود پالیا کیوں کہ وہ تحریک کے ہم مزاج بنے خلوص دل سے قبول کرکے تائید کی ٹھانی اور پھر ایک تاریخی معاہدہ ہوا، محمد بن سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی کہ سلفی دعوت کی عالمگیر نشرواشاعت اور اسلامی پرچم تلے سب کو یکجا کرکے اس کا نفاذ ہدف اولین رہے گا، امام عبدالوہاب نے اللہ کی نصرت وحمایت کا مژدہ سنایا اور فرمایا ان تنصر اللہ ینصر کم اور پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ تحریک جنگی اعتبار سے تین مراحل سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہوئی درعیہ کو مرکز بنا کر جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کیا گیا کیوں کہ سماج میں اگر مرض ناسور بن جائے تو آپریشن ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے مرحلہ میں وھام بن دواس سے ''ریاض'' بنو خالد سے ''احساء'' حاصل کیا اور ۱۷۷۵ء میں نجران پر پرچم وہابی لہرایا، اس کوشش میں محمد بن سعد کے دو بیٹے فیصل اور سعود بھی شہید ہوئے، بہرحال اسلامی قانون کے نفاذ کا دور شروع ہوا اور ترک شریعت پر حدود جاری ہونے لگی یہ بات طغیانی قوتوں کو کبھی پسند نہیں آتی لہٰذا اندرونی طور پر عاشقین نبی اور عاشقین حسین سے

مدد لی مذہبی فتوں کا سہارا لیا جبکہ خارجی طور پر سلطنت عثمانیہ کو بھڑکایا گیا اور پھر عراقیوں کے ذریعہ معرکہ کارزار کروادیا۔ آخرکار ۱۸۰۳ میں عبدالعزیز محمد بن سعود شہید ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اشراف مکہ سے بھی ٹکراؤ ہوا۔ اہل مکہ نے ان کی دعوت قبول بھی کی مگر مصری حاکم محمد علی کی ایماء پر قومیت کے مرض کو ابھار کر ترک عرب کا نعرہ لگوادیا، سلطنت عثمانیہ کو بھی لپیٹ میں لے لیا آخرکار عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز نے ۱۸۱۹ء درعیہ میں ہتھیار ڈال دیے اور پھر جلاوطنی کے دور میں ان کو بھی شہید کر دیا گیا، عام طور پر ایسے حالات میں تحریکات مردہ ہو جاتی ہیں مگر یہ تحریک اسوہ نبوی کا خلاصہ تھی اس لئے عارضی کمزوری آئی، مگر ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے ۱۸۲۳ء سے ۱۸۳۴ء تک اس سلسلہ میں کافی جدوجہد کی اور اس کی بنیادوں کو پھر سے مضبوط کرنے کی کوشش کی، ازسرنو مورچہ بندی کی، دعوت توحید ورسالت کا سبق لے کر اٹھے اور شیخ فیصل کو ۱۸۴۳ء میں ایک خطہ کی باگ ڈور دلوائی۔ موصوف نے نظام حکومت خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلانے کا وعدہ کیا اور عوام سے اعتقادی مالی بدنی تعاون کا وعدہ لیا، نتیجہ میں غربی منطقہ کے علاوہ بہت سے علاقہ تحریک وہابیت کے اس حیثیت سے زیر نگیں تھے، کہ اندر ہی اندر توحید کی چنگاریاں شعلے بننے کو تیار تھیں۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ شیخ عبدالوہاب کی تحریک کو پہلے دوسرے مرحلوں کی طرح ۱۹۳۲ء میں تیسرے مرحلہ کو بھی کامیابی نصیب ہوئی، اور بس پھر اس تحریک نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، کیوں کہ اللہ کی نصرت واعانت ہمیشہ اس تحریک کے خلوص کے ساتھ ساتھ رہی، سب سے پہلا کام اتحاد کے لئے یہ کیا کہ مسجد حرام میں ایک مصلے کا انتظام فرمایا جس سے اتحاد کی بنیاد مظبوط ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز کا ایک اہم کارنامہ

بیت اللہ میں ایک مصلیٰ ایک مرکز جو اتحاد کی جانب بڑھتا ایک قدم بنا۔

ایک اللہ ایک کتاب ایک بیت اللہ، معبود عابد کا ایک تعلق۔ تو پھر کیوں نہ ایک ہی مرکز ایک ہی مصلیٰ بیت اللہ میں ہو۔ جیسا کہ آں حضرت کے زمانہ میں تھا۔ یہ سوچ تھی شاہ

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اور پھر اس تاریخی سوچ کی تکمیل ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں نجد وحجاز کے علماء کے اجتماع کے بعد ایک قرارداد سے کردی گئی۔

امام قطب الدین حنفی [متوفی، ۹۸۸ھ] اپنی تصنیف ''الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام'' میں صفحہ ۴۴۵۔۴۴۶ میں تحریر کرتے ہیں۔ بیت اللہ میں ایک سے زیادہ ائمہ کی تاریخ نویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ الفاسی نے اپنی تصنیف ''شفاء الغرام'' میں تذکرہ کیا ہے کہ ۴۹۷ھ میں پانچوں مسلکوں کے مصلے موجود تھے اور ہر مسلک کے مصلی کو مقامات حنفی، مقامات مالکی، مقامات حنبلی، مقامات شافعی، مقامات زیدی ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر صالح معتوق نے اپنی تصنیف ''علم الحدیث فی مکہ المرمہ'' ۴۹۷ھ میں اس عمل کے آغاز کا اشارہ دیا ہے اور شروع شروع میں مختلف جماعتیں ایک نعمت محسوس ہوئیں حالاں کہ بعد میں ایک بڑی زحمت بنتی چلی گئیں۔

پروفیسر ڈاکٹر فوزی ساعتی اپنے تحقیقی مطالعہ ''المقامات الاربعہ فی المسجد الحرام'' میں تحریر کرتے ہیں کہ تمام لوگ مسجد الحرام میں مقام ابراہیم کے سامنے ایک امام کی امامت میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آگے چل کر اس کے سامنے مقام الشافعیہ قائم کردیا گیا۔ پھر دیگر مقامات کا قیام عمل میں آیا اور ایک امام کے بجائے چار ائمہ کے پیچھے حرم میں جماعتیں ہونے لگیں۔ ہر مسلک کے پیروکار [حنفی شافعی حنبلی مالکی] اپنے مسلک کے امام کی قیادت میں نماز ادا کرنے لگے، یہ لوگ چار نمازیں آگے پیچھے اپنے اپنے امام کی اقتدا میں ادا کرتے البتہ مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں امام کی امامت میں پڑھ لیا کرتے تھے کیوں کہ مغرب کا وقت تنگ ہوتا ہے اور ہر امام کی اتباع کی گنجائش نہیں ہوسکتی تھی ڈاکٹر محمود بن محمد بن سفر کی تصنیف منہجیہ الرؤی المستقبلیہ میں ان مقامات کی تفصیل اس طرح ہے

مقامات

مقام حنفی.................. میزاب رحمت۔ کعبہ کے شمال میں

مقام مالکی..................کعبہ کے مغرب میں
مقام شافعی..................کعبہ کے بالمقابل
مقام حنبلی..................حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان جنوب میں

شروع شروع میں حاضرین حرم کو یہ جماعتیں نعمت لگیں اور رفتہ رفتہ مسجد الحرام سے بڑھ کر مسجد نبوی پھر شام کی اموی مسجد اور مصر کی جامعۃ الازھر نیز دیگر جامع مساجد میں بھی کئی جماعتیں شروع ہو گئیں، مگر بعد میں یہی جماعتیں ایک نئی زحمت کا آغاز بن گئیں۔ اگر ایک مسلک کی جماعت ہو رہی ہے تو دوسرے مسلک والے انتظار کر رہے ہیں بلکہ جان بوجھ کر ایک مسلک والے دوسرے مسلک کی جماعت میں شریک نہ ہوتے آہستہ آہستہ ان باتوں میں تشدد آتا چلا گیا حتی کہ بقول معروف محدث شیخ البانی رحمۃ اللہ یہ مسئلہ فتنہ کا باعث بننے لگا۔ کچھ جائز کہتے کچھ ناپسند کرتے بلکہ یہ فقہی قاعدہ مشہور ہو گیا کہ دوسرے مسلک کے امام کی امامت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے بعض نے مکروہ تحریمی قرار دے دیا۔ جس کے اثرات عصر حاضر میں بھی پائے جانے لگے تھے۔ بہر حال ان خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شاہ عبدالعزیز نے ایک جرات مندانہ قدم اٹھایا اور ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو نجد و حجاز کے علماء کا اجتماع کرایا۔ شیخ عبداللہ غازی نے اپنی کتاب "افادہ الانام بلد اللہ الحرام" میں لکھا ہے کہ اس اجتماع میں یہ فیصلہ ہوا کہ ہر مسلک سے تین ائمہ کا انتخاب کیا جائے حنبلی مسلک کے دو امام ہوں جو پانچوں نمازیں نمبر وار پڑھائیں۔ اور پھر

شیخ ابوالسمح اور شیخ حمد الخطیب کو..................حنبلی مسلک کا
شیخ عبدالرحمن الزوادی، شیخ محمد علی خوقیر، شیخ عمر فقیہی کو..................شافعی مسلک کا
شیخ عباس عبدالجبار، شیخ عبدالملک میرداد کو..................حنفی مسلک کا
شیخ امین فودہ شیخ عبداللہ حمدہ اور شیخ عباس کو..................مالکی مسلک کا

امام منتخب کر دیا گیا، تاکہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس کے لوگوں کو خصوصا اور مسلمانوں کو عموما اس مذہبی اتحاد سے نواز دیا۔ مسجد حرام کیوں کہ دنیائے اسلام کے تمام فرزندگان کا مرکز ہے، حرم شریف چوں کہ توحید واتحاد کا مرکز ہے اس کے دوررس اثرات پوری مسلم دنیا پر مرتب ہوئے۔ نئے فیصلہ کے خوش گوار اثرات بھی ٹھیک اسی طرح پوری مسلم دنیا پر منعکس ہوئے۔ جس طرح کے ماضی میں یہاں نامناسب روایات چار ائمہ چار جماعتیں چار مسلک کے سلسلہ سے پیدا ہوئے تھے دنیا کی ان مساجد میں بھی جہاں جہاں حرم شریف کی دیکھا دیکھی مسلکی بنیادوں پر ایک سے زیادہ جماعتیں ہونے لگی تھیں۔ حرم شریف میں ایک جماعت کا سلسلہ بحال ہو جانے پر وہاں بھی کئی جماعتوں کا رواج دم توڑ گیا اور دور نبوی کی یاد پھر تازہ ہو گئی۔

بلکہ اب چوتھے مرحلہ کی طرف بھی قدم بڑھا دیا ہے یعنی آفاقی دعوت۔

سعودی حکومت نے ضرورت محسوس کی کہ دعوت کے اسلوب میں دور حاضر کے مطابق تبدیلی کی جائے، وہ اسلوب اختیار کیا جائے جو دور حاضر کے مطابق ہو کچھ ادارے اسی کام پر لگا دیے گئے۔

چند ادارے

رابطہ عالم اسلامی

اس کے تمام دنیا کے دار الحکومتوں میں دفاتر قائم ہیں اور عوامی سطح پر مسلمانوں کی صحیح نمائندہ تنظیم ہے یہ ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن ہے، اس کا مرکز مکہ مکرمہ ہے یہ چند منتخب اور اعلیٰ علماء پر مشتمل ایک ادارہ ہے اس کے سیکریٹری ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ہیں۔ اس کے اہم مقاصد میں اسلام کی صحیح تبلیغ اور تعلیمات اسلامی کو صحیح صورت میں پیش کرنا ہے یہ مسلمانوں کو درپیش مسائل میں مدد کرنے کے لئے پیش پیش ہے۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لئے تعلیمی ثقافتی پروگراموں کو عملی طور پر نافذ کرنا ہے نیز اسلام کے نظریہ اعتدال پسندی کو یہ ادارہ فروغ دے رہا ہے، اس کا قیام ۱۸ مئی ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ اس وقت رابطہ عالم اسلامی اقوام متحدہ میں مبصر ممبر اور اسلامی سیکریٹریٹ میں بطور مبصر نیز یونسکو اور یونیف میں بھی ممبری کا درجہ حاصل ہے اسی طرح اسلامی سربراہی کانفرنس اور اسلامی وزرائے خارجہ کی سطح پر منعقد ہونے والے تمام اجلاسوں میں شریک ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کی رائے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس میں متعدد اسلامی مسائل پر بحث ہوتی ہے۔ اس ادارہ کے ماتحت بہت سے ادارہ کام کر رہے ہیں

[۱] انٹرنیشنل اسلامی ریلیف آرگنائزیشن [جو کہ جدہ میں ہے][۲] فقہی کونسل [۳] قرآن کونسل [۴] عالمی ایجوکیشن آرگنائزیشن [۵] عالمی فیملی وخاتون آرگنائزیشن [۶] مکہ خیراتی آرگنائزیشن [۷] بین الاقوامی نیو مسلم آرگنائزیشن [۸] بین الاقوامی اعجاز قرآن آرگنائزیشن [۹] بین الاقوامی میڈیا آرگنائزیشن [۱۰] بین الاقوامی اسلام آرگنائزیشن [۱۱] بین الاقوامی اکنامس آرگنائزیشن [۱۲] بین الاقوامی تعمیر آرگنائزیشن۔

جامعہ امام محمد بن سعود اسلامیہ

اس کا سنگ بنیاد ۱۹۵۱ء کو ریاض میں رکھا گیا اس وقت اس کی حیثیت ایک مدرسہ کی تھی پھر اس میں ہر سال توسیع ہوتی رہی اور کئی مدرسے اور کالج قائم کئے گئے آج تقریبا پچاس سے زائد ابتدائی مدارس بہت سے کالج اور دعوت اسلامیہ القضاء کے کچھ اعلی مدارس اسی یونیورسٹی سے ملحق قصیم اور جنوب میں اسی جامعہ کے چند شعبے ہیں،۔ یہ تحریک اندرون ملک غیر محدود پیمانہ پر جاری ہونے کے ساتھ ساتھ بیرون ملک بھی کافی پھیل چکی ہے اور دن بدن اس کی نشر واشاعت میں اضافہ ہو رہا ہے اس کا طریق کار تعلیم ہے، چنانچہ سعودی حکومت نے اپنی نگرانی میں متعدد یونورسٹیوں میں اسلامیات اور عربی تعلیمات کے شعبہ قائم کئے ہوے ہیں اس مقصد کے لئے یونورسٹیوں میں ایک تدریسی بورڈ قائم کیا ہوا ہے جو عالم اسلام میں اسلامیات اور عربی کی تعلیمات کو فروغ دینے کی کوشش میں مصروف ہے، سعودی عرب میں آکر تعلیم حاصل کرنے والے بیرونی طلباء کے لئے مخصوص وظائف کا انتظام کیا ہوا ہے، نیز اسلامی مسائل کی تحقیق کا کام اس کا ترجمہ نشر واشاعت دیگر یونورسٹیوں سے تعلقات اور عربی کتب پرنٹ کرا کر مفت تقسیم کرانا اب تو اسلامی تعلیمات کا مرکز جاپان اور عربی کا مرکز انڈونیشیا اور موریتانیہ میں بھی قائم کر دیا گیا

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

یہ جامعہ دعوت سلفی کا ایک اہم مرکز ہے اس کی نشر واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے، بیرون ملک سے مسلمان آکر نہ صرف تعلیم حاصل کرتے ہیں بلکہ تربیت بھی حاصل کرتے ہیں، تاکہ اپنے اپنے ملک جا کر وھابی عقائد کی ترویج کر سکیں اور اپنی زندگی میں اسلامی ماحول لائیں اور ایک اسلامی سوسائٹی تیار کریں ــــــ ادارہ بحوث علمیہ افتا، دعوت وارشاد اس ادارہ کا کام اسلامی دعوت کی تبلیغ اور نشر واشاعت کی غرض سے مختلف مقامات پر مبلغین کو بھیجنا

ہے اور نامور محقق علماء کو اس امر کی تکلیف دینا کہ موجودہ دور کے مسائل اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اپنی اپنی علمی تحقیق کی روشنی میں رائے پیش کرسکیں۔ دشمنان اسلام کے پروپیگنڈہ کی قلعی کھول سکیں اور ان کی تردید کرسکیں بلکہ اسلام کے بنیادی امور کی ناخ کرائی جاسکے۔

ندوہ عالمی برائے نوجوانان اسلام

اس ادارہ کی سب سے اہم ڈیوٹی نوجوان مسلمانوں کے اذہان اورافکار کی اصلاح ہے، تاکہ اسلامی عقائد کی صحیح رہنمائی ہو اسلام کی صحیح معلومات ہو اور پھر نوجوانان اسلام ساری دنیا کی رہنمائی کرسکیں۔

دعوت کے اثرات

شیخ عبدالوہاب کی تحریک کا مقصد اسلامی عقائد کا انفرادی اور اجتماعی نفاذ ہے۔اس کے اثرات جزیرہ عرب سے باہر ایشیا اور افریقہ بلکہ پوری دنیا تک پہنچ گئے ہیں، اس تحریک کو ''لیبیا'' میں محمد بن علی سنوسی تیونش میں خیر الدین شام میں جمال الدین عراق میں محمود شکر آلوسی مصر میں جمال الدین افغانی محمد رشید رضا بھوپال میں نواب صدیق حسن کلکتہ میں امیر علی، سوڈان میں عثمان بن خودی۔

برصغیر میں یہ تحریک خانوادہ ولی اللہ کے شاہ اسماعیل اور سید احمد شہید کے ذریعہ سے دارالعلوم دیوبند اور جماعت اسلامی تک پہنچی۔ جو بعد میں سیاسی اور فقہی اعتبار سے بٹ گئی کہیں اعتقاد میں سمٹ گئی کہیں چھٹ گئی۔

باب ثانی

شاہ اسماعیل کی عبدالوہاب نجدی سے ملاقات

ادھر اٹھارویں صدی کے آغاز میں شاہ ولی اللہی مشن کی باگ ڈور آپ کے خانوادے سنبھال لی شاہ صاحب کے صلبی صاحبزادوں شاہ اسماعیل اور سید احمد شہید علیہ الرحمۃ اور مولانا عبدالحی نے عملی جدوجہد جاری رکھی اور اس انداز سے کوشش کی کہ ۱۸۲۱ء میں حج کیلئے مکہ جا کر شیخ عبدالوہاب نجدی سے اس اسلامی عالمگیر مشن کو از سر نو قائم کرنے کے لئے اہم ملاقات یا مشاورت کی جس کو ایک "معاہداتی مشاورت" بھی کہا جا سکتا ہے۔ [کاش یہ مشاورت صرف تاریخی اوراق نہ بنتی بلکہ اس پر عمل درآمد ہو جاتا] جس کے چار بنیادی نکات تھے۔ [۱] اسلامی عالمگیری مشن کا ایک مرکز ہو ایک عقیدہ ہو [۲] ہر ملک اور علاقہ میں حالات اور جگہ کے اعتبار سے اپنے اپنے انداز سے جدوجہد ہو [۳] ہر تحریک ایک دوسرے کے ربط میں ہو [۴] جو کامیاب ہو وہ ایک دوسرے کے لئے مددومعاون ہو۔ شاہ صاحبان شیخ عبدالوہاب نجدی سے اس باہمی مشورہ اور میٹنگ کے بعد جب تازہ دم ہو کر حجاز سے واپس آئے تو اس رنگ میں آئے جو ایک مومن کامل کا رنگ ہوتا ہے۔ یعنی اقیموا الا سبق | تا سعد والی بیماری کا علاج نشتر ہے اس کو بہت حکمت سے دہرایا، اس عالمگیر مشن کو آگے بڑھانے کی سر توڑ کوشش کی جہاں مرض کا علاج زبان کے پھاہے سے ہو وہاں وہ کیا جہاں نشتر کی ضرورت تھی وہاں وہ استعمال کیا شہادت حق اور نفاذ شریعت کا یہ سفر رائے بریلی و بندیل کھنڈ سے ہوتا ہوا بالاکوٹ پر ختم ہوا ان کو ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو شہادت حق نصیب ہوئی۔ شاہ صاحب نے برصغیر میں حسب ارشاد حدیث جہاں خرافات اور برائیاں دیکھیں ان کو زبان و سنان کے ذریعہ بدلنے کی کوشش کی کہیں کامیابی ملی کہیں ناکامی مگر نفاذ اسلامی کی بھرپور کوشش کی۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخوں غلطیدن ☆ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا قاسم نانوتوی [۱۸۲۶ء]

دوسری طرف خانوادۂ ولی اللہ کے ایک فرد شاہ محمد اسحاق دہلوی نے [جو نواسے ہیں شاہ عبد العزیز کے ان سے حاصل کردہ فکر ولی اللہی کو] دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کے ذریعہ اپنے شاگردوں میں منتقل کرنا شروع کردیا اور ایک اہم ترین جماعت کی تربیت کی ۱۸۵۷ میں اسی جماعت میں سے مولانا قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی حاجی امداداللہ جیسی شخصیات ابھر کر سامنے آئیں جو شاہ صاحب کی فیض یافتہ اور حاملین فکر ولی اللہی تھی، یہ اصحاب مختلف جہتوں سے مختلف جدو جہد میں لگ گئے اور چہار سو پھیل گئے دیوبند بھوپال حیدرآباد علیگڑھ لکھنؤ، پٹنہ وغیرہ میں مختلف انداز سے اس .ماعت نے جہاد باللسان اور بالسنان کی سرتوڑ کوشش کی کہیں مناظرہ سے کہیں تحریر سے کہیں مدارس کے قیام سے منزل مقصود کی طرف بڑھنے لگی حتی کہ شاملی کے مقام پر وقتی طور پر فزیکلی شکست بھی ہوئی مگر اس شکست سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے بلکہ شاملی کے میدان کی ہلکی سی ہزیمت عارضی طور پر مورچہ کی تبدیلی کا سبب بنی اور ۱۸۶۰ میں ایک ایسے علمی ادارے کی بنیاد رکھی [دارالعلوم دیوبند] جس کے بارے میں خود موصوف نے فرمایا ''میں نے دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کیلئے اپنے مشن پر علم کی چادر ڈال دی'' اور بقول حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے ''حضرت الاستاذ نے یہ مدرسہ کیا محض درس وتدریس کیلئے قائم کیا تھا؟ بلکہ شاملی کی شکست کے بعد تلافی کیلئے یہ ایک پر حکمت اقدام تھا'' مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ نے اس سے پہلے مناظروں [جہاد باللسان] کے ذریعہ برہمن واد کو نشان ہدف بنایا۔ آغاز دارالعلوم میں ابھی ''اسلامی عالمگیر مشن'' کا خاکہ تیار ہی ہورہا تھا کہ مولانا قاسم صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور چالیس سال کی مختصری عمر میں رحلت خداوندی نصیب ہوئی۔

شیخ الہند

مشن قاسمی کو آپ کے صحیح جانشیں حضرت شیخ الہند نے اپنی فراست سے آگے بڑھایا اور نہ صرف آزادی ہند کے لئے بلکہ برصغیر میں پھیلے ہوئے، ان موذی امراض کے علاج کے لئے ایک ماسٹر پلان تیار کیا، جو فکر ولی اللہی سے ماخوذ اور فکر وہابیت سے منقول تھا تاکہ برصغیر میں بھی ''مشن وہابیت'' کی طرح ''مشن قاسمی'' کو بھی کامیابی حاصل ہو کیوں کہ ''مشن وہابی'' نے تو صرف مذہب کے اندرونی سیلاب [بدعت اور شرکیہ رسوم عقائد فاسدہ اور شیعت] کا دفاع کیا تھا۔ یہاں تو اندرونی سیلاب کے ساتھ ساتھ بیرونی طوفان [لادینیت] کا بھی سامنا کرنا تھا۔ یہ لادینیت کا طوفان مختلف ناموں سے برصغیر تو کجا پوری دنیا پر چھانے والا تھا، یہ جمہوریت وطنیت، قومیت کے نام پر ایک خوفناک عفریت کی طرح آگے بڑھ رہا تھا اور پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے والا تھا شیخ الہند نے بھانپ لیا تھا کہ لادینیت کی یہ بیماری برصغیر میں وبا کی طرح پھیلنے والی ہے، جبکہ یہاں پہلے ہی سے بے شمار بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔

تصوف کے نام پر	............جوگ ازم، رہبانیت،
عشق نبی کے نام پر	............بدعت
،احادیث کے نام پر	............من گھڑت روایات،
حکومت کے نام پر	............زرزمیں کی چاہت،
پیری مریدی کے نام پر	............خرافات،
تہذیب وتمدن کے نام پر	............یورپی تمدن کی نقل
،حسب ونسب کے نام پر	............برہمن واد،
رواداری کے نام پر	............تمام مذاہب کی وحدانیت،
عبادت کے نام پر	............رسوم ورواج
تعلیم کے نام پر	............جہالت

ان بے شمار امراض نے جو کچھ علاقائی کچھ عالمگیری تھے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس کے لئے شیخ الہند نے ایک ماسٹر پلان تیار کیا۔

شیخ الہند کا ماسٹر پلان

اس پلان کے مطابق جس طرح نجد میں شیخ عبدالوہاب نے آپریشن کیا تھا، اسی طرح برصغیر میں ان تمام امراض کا علاج بلکہ ایک میجر آپریشن کرنا ناگزیر تھا، لہذا آپ نے اپنے کام کی شروعات نہایت حکمت عملی سے کی پہلے آنے والے خطرات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور چھانا کہ انمیں سے ہمارے عالمگیر مشن کے لئے کیا چیز مفید اور مثبت ہوسکتی ہے۔ آپ کی دوررس نگاہیں تین طاقتور انقلاب دیکھ رہی تھیں جس میں ایک مثبت اور اسلام کے لئے بہت مفید ہوسکتا تھا، وہ تھا۔

[۱] سائنس اور ٹیکنولوجی کا انقلاب جس کو اپنا کر ہی اسلام کی خدمت ہوسکتی تھی اور اس کو اسلام کیلئے مفید بنایا جاسکتا تھا اس سے گریز کرنا دانشمندی نہیں تھی۔ جس کے لئے علی گڑھ جیسے اداروں سے تعاون [جو ان کے خطبہ سے ظاہر ہے] اور ٹیکنکل چیزوں سے استفادہ ان کا عملی قدم تھا اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو وہ سائنس، ٹیکنولوجی، میں ملت کو ماہر بنوا چکے ہوتے جس کی مثال دارالعلوم کا طبیہ کالج اور دوسری دستکاریوں کی درسگاہیں تھیں۔ دوسرا انقلاب جو صدیوں سے مختلف شکلوں میں چلا آرہا تھا وہ۔

[۲] بدعت کا تھا جس کا سامنا مشن وہابیت کو بھی تھا مگر برصغیر میں یہ اور زیادہ خطرناک ہوگیا تھا کیوں کہ اس کو ہندوستانی رسوم رواج، جوگ ازم اور جاہلانہ تصوف سے مزید تقویت حاصل ہوگئی تھی۔ جس کے دفاع کیلئے دارالعلوم جیسے اداروں سے پوری کھیپ تیار کی جارہی تھی اور یہ بھی ایک کامیاب قدم تھا جو آج تک زندہ وجاوید ہے۔ تیسرا انقلاب جو سب سے زیادہ خطرناک اور سارے خطہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا وہ تھا [۳] لادینیت کا انقلاب جو سیاست کے ذریعہ غیر ملکی کلچر کے ذریعہ اور نئی تعلیم کے ذریعہ طوفان کی طرح بڑھ رہا تھا خیر کا اصول ہے

کہ باطل کو اس کے فن سے ہی اس کو شکست دیتا ہے [گویا اسمیں مہارت حاصل کر کے] چاہے وہ فرعونی جادوگری ہو یا زمانہ عیسی کی طب ہو یا رسول کے زمانہ کا ادب ہو، یا امام غزالی کے زمانہ کی منطق فلسفہ ہو، حضرت شیخ الہند نے بھی لادینی سیاست کا اسلامی سیاست سے دفاع کرنا چاہا اور ایک ماسٹر پلان تیار کیا جس کو تاریخ نے ریشمی رومال تحریک کا نام دیا جس پر صرف آزادی وطن کا پروگرام ہی نہیں لکھا تھا بلکہ ایک عالمگیر مشن [حکومت الٰہیہ] کا خاکہ تھا اس کے لئے اتنی احتیاط برتی گئی تھی کہ اگر آپس میں خط و کتابت ہوتی تھی تو لفافہ میں ایک ریشمی بال رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اگر خط سنسر ہو تو وہ بال گر جائے اور پڑھنے والے کو پتہ لگ جائے کہ یہ خط سنسر ہو چکا ہے مگر اتنی احتیاط کے باوجود بھی اپنوں کی ناسمجھی اور اغیار کی فتنہ پروری نے اس پروگرام کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔

کروں غیروں سے کیا نشیمن کا شکوہ ☆ کسی نے نہیں پھونکا اپنوں سے پہلے

مگر شیخ الہند مایوس نہیں ہوئے بلکہ ایک طرف تو اپنے شاگردوں کو تیار کیا جس میں مفتی کفایت اللہ [صدر جمعیۃ العلماء] مولانا عبید اللہ سندھی [بحیثیت سفیر شیخ الہند] مولانا حسین احمد مدنی [کانگریس] مولانا شبیر عثمانی [مسلم لیگ] تھے ساتھ ہی ملک کی نامور شخصیات اور جماعتوں کو بھی ساتھ لیا جن میں ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی شوکت علی، حکیم اجمل خاں، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، نواب وقار الملک اور گاندھی [جن کو بعد میں جمعیۃ العلماء نے مہاتما کا خطاب دلوایا] گویا خاکسار جماعت خلافت کمیٹی، مجلس احرار وغیرہ معروف تھے۔ دوسری جانب اپنے شاگرد رشید اور راز دار مولانا عبید اللہ سندھی کو ایک عالمی مشن پر برصغیر سے باہر روس و جرمن بھیجا جس میں جرمنی سے اسلحہ خلافت عثمانیہ سے عسکری مدد افغانستان سے راہداری فوجی، قبائلی علاقوں سے جاں باز سپاہی کا پروگرام تھا۔ مولانا سندھی اس علمی مشن کی تبلیغ بھی کرتے جاتے تھے اور شیخ الہند کی پالیسیوں کو بروئے کار بھی لاتے جاتے تھے حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے جب

لینن کو نظام زکوۃ سمجھایا تو وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا اور حیرت سے کہنے لگا کہ یہ اقتصادی نظام تو میرے نظام سے بھی بہتر ہے میں اس کو اپنے نظریہ کی تائید میں ضرور اپناؤں گا [کتنی خطرناک بات تھی گویا نظریہ اپنا اور استعمال اسلامی نظریہ کو کیا جائے گا، اس نے کہا مولانا میں سمجھتا تھا کہ جب مورخ دنیا کی تاریخ لکھے گا تو میرے نظریہ سے مفر نہ ہو گا مگر آپ کے پاس تو پورا نظام حیات موجود ہے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے [اور واقعی فائدہ اٹھا لیا اور ہم دیکھتے رہ گئے، شیخ الہند کی وفات کے بعد ایک بھیانک سیلاب۔ جدید ٹیکنولوجی، جدید معاشیات، جدید ذرائع ابلاغ جدید سائنس، جدید معیشت، حتی کہ جدید انداز حکومت کے نام پر آیا اور بہت کچھ بہا لے گیا، یا اس نے اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ بہر حال اپنے ساتھیوں میں کام تقسیم کرنے کے بعد شیخ الہند نے مولانا مدنی اور عزیر گل کے ساتھ حجاز کا ارادہ کیا تا کہ انور جمال پاشا اور غالب جمال پاشا سے گفت شنید ہو سکے اور پھر حجاز میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود سے اس عالمی مشن کی مرکزیت پر اتفاق رائے ہو سکے جس کے بارے میں شاہ اسماعیل اور عبدالوہاب نجدی میں پچاس ساٹھ سال پہلے ہی گفتگو ہو چکی تھی مگر یہ وہ وقت تھا جب برصغیر میں قومی اور وطنی عصبیت کی چنگاریاں شعلے بن رہی تھیں اور دوسری طرف لارنس آف عربیہ کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے کیمپ میں عرب ترک مخالفت والی عصبیت آگ کو خوب بھڑکایا جا رہا تھا، طاغوتی طاقتیں یہ کہاں برداشت کر سکتی تھیں کہ برصغیر کا مرکزی کردار [شیخ الہند] اور اسلامی مرکز [کعبہ] کی ''تحریک وہابیت'' اور ''مشن شیخ الہند'' عملی طور پر یکجا اور ایک راہ ہو جائیں بس ایک خطرناک قدم اٹھا کر شیخ کو قید کروا دیا نہایت خطرناک سازش رچی گئی اور ایک پنتھ دو کاج والی سازش کی گئی، ایک طرف شریف مکہ کو ترکوں سے چھٹکارے کا جھانسہ دیکر شیخ الہند اور رفقاء کو ان کے ذریعہ مالٹا میں قید کرایا گیا، دوسری جانب برصغیر اور حجاز میں ''نفسیاتی بعد'' پیدا کرا دیا گیا۔ ظاہر ہے اہل عرب سے کون امید کرتا کہ برصغیر کے مشائخ سے ایسا سلوک کیا جائے گا کہ شیخ کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں اور وہ بھی خود اپنوں کی وجہ سے۔ لہذا سازش

کامیاب رہی اور یہ سیاست ۔ کے ساتھ ساتھ علمی میدان میں بھی اثر انداز ہوئی، آہستہ آہستہ برصغیر میں علامہ ابن تیمیہ ابن قیم عبد الوہاب نجدی حتی کہ فقہ حنبلی پر ترچھی نظر پڑنے لگی جبکہ [تصوف کے نام پر] محی الدین ابن عربی، صاحب روح المعانی، عبد القادر جیلانی، معین الدین چشتی رحمہ اللہ جیسی شخصیات پر محبت بھری نظر میں غلو ہونے لگا، بلکہ نفسیاتی اثر یہاں تک پڑا کہ ایک جماعت تو احادیث کی جگہ روایات [کہانیوں] کو مسلسل [ڈرامہ] کرنے میں لگ گئی اور عرب اور ان کے افکار و اعتقادات سے دوری ہوتی چلی گئی ۔ ان تمام سازشوں کے باوجود بھی اگر شیخ الہند کی زندگی ساتھ دیتی تو، پھر بھی ہر میدان میں اعتدال ہی رہتا۔ آپ اپنے مقصد سے ذرا بھی غافل نہیں تھے آپ کی کارکردگی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ اپنے افکار، حکمت عملی اور پالیسی کے اعتبار سے عالمگیر [گلوبلائزیشن] کے دور میں تھے، جبکہ اغیار صرف نیشلزم اور قومیت کے دور میں تھے۔ شیخ الہند ۱۹۲۰ء میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرکے نئے انداز اور نئی حکمت عملی کے ساتھ برصغیر کی رہنمائی کرنے کے لئے نہایت کمزور اور ناتواں حالت میں بذریعہ شپ بمبئی پورٹ پہنچے جہاں ملاقات کے لئے مولانا شوکت علی کے ساتھ گاندھی جی مولانا عبد الباری وغیرہ جیسے مشاہیر لیڈر موجود تھے تاکہ شیخ کے خاکوں میں رنگ بھرا جائے مگر جسمانی توانائی جواب دے گئی زیادہ بات چیت نہ کرسکے پھر پانچ ماہ کا عرصہ علالت میں گزار کر انتقال فرما گئے [انا للہ وانا الیہ راجعون] شاگردوں اور ساتھیوں سے پروگرام کی تکمیل بھی نہ ہوسکی۔

باب ثالث

خطرناک انقلاب

یہ وہ وقت تھا کہ ایک نہایت خطرناک انقلاب برصغیر بلکہ پوری دنیا کے دروازہ پر دستک دے رہا تھا جس کی طرف مولانا سندھی نے اپنے خطبہ میں اشارہ دیا بلکہ واضح لفظوں میں متنبہ کیا، وہ جب چوبیس سال بعد اپنے سفر سے لوٹے تو انہوں نے اصلی مشن کی طرف پھر سے نشان دہی کرائی دراصل مولانا عبیداللہ سندھی نے ۱۹۱۵ء میں سب سے پہلے کابل کا سفر اختیار کیا اور ترکی سوئزرلینڈ رشیا وغیرہ ہوتے ہوئے بیت اللہ پہنچے جہاں بارہ سال قیام کیا ۱۹۳۹ء میں جب کراچی کے ساحل پر اترے تو ایک اہم ترین خطاب کیا۔ یہ پوری تقریر سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے اس کے ایک ایک لفظ میں فکر کی گہرائی تجربہ کی گیرائی غلبہ اسلام کی تڑپ ایک عالمگیر مشن کی تمنا جو ایک مصلح انسانیت میں ہونی چاہئے؛ وہ ہر ہر لفظ میں موجود ہے۔ طوالت کے خوف سے چند الفاظ قارئین کے نذر ہیں آغاز اس طرح کرتے ہیں، وطن کی محبت مجھ کو اس عمر میں ہندوستان کھینچ کر نہیں لائی [پھر اپنی پیرانہ سالی کے متعلق بتا کر یہ بتاتے ہیں کہ] بلکہ آپ لوگوں کے پاس اس لئے پہنچا ہوں کہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ میں جو کچھ آپ سے کہنا چاہتا ہوں اسے غور سے سنو۔

ا۔۔۔ میں ایک عالمگیر انقلاب کے سیلاب کو اپنی آنکھوں سے اٹھتا دیکھ آیا ہوں، دنیا ایک نئے طوفان نوح سے دوچار ہوا چاہتی ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں نہ تو ان طوفانوں کی کچھ خبر ہے اور نہ تم یہ جانتے ہو کہ اگر یہ طوفان بہہ نکلے تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔ میں یورپ کے ایک بڑے حصہ میں اس انقلاب کو بروئے کار آتا دیکھ آیا ہوں اس انقلاب نے جس سفاکی سے حکمرانوں کو تہ تیغ کیا ہے اور پوری سرزمین کی کایا پلٹ کی ہے [اس سے ظاہر ہے] یہ ساری انسانیت کو ایک نہ ایک دن اپنی لپیٹ میں لے کر رہے گا، اس انقلاب کا نعرہ

ہے جو تمہارا حق ہے اس پر قبضہ کرلو اس میں جو آڑے آئے اس کو مٹادو جو علم کلچر مذہب اخلاق تمہارے سدراہ ہو اس کا انکار کردو وہ علم نا قابل اعتبار ہے وہ کلچر فرسودہ ہے مذہب غلط ہے اور اخلاق کا وہ نظام بے معنی ہے، [آگے لکھتے ہیں] تم اس انقلاب کی قوت، وسعت، شدت اور سفا کی اپنی موجودہ زندگی میں محسوس نہیں کر سکتے اس انقلاب کو قیامت سے کم مت سمجھو یقیناً یہ ''حشر'' برپا کرے گا تا کہ انسانیت کیلئے خدائے ذوالجلال کی طرف سے ایک نئے ''حشر'' کا سامان ہو سکے۔ [آگے لکھتے ہیں] تمہارے سیاست داں بڑی بڑی اسکیمیں بناتے ہیں لیکن ان کی نظر خاص طبقوں سے آگے نہیں بڑھتی وہ قوم وطن کا نام لیتے ہیں، مذہب اور کلچر پر زور دیتے ہیں لیکن ان کے قوم وطن مذہب اور کلچر کا تصور یا تو سرے سے موہوم ہے یا ان کا اطلاق ایک خاص طبقہ کے اغراض ومصالح پر ہوتا ہے، تمہارے علماء ہیں ان کی نظریں محض پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں پھنس کر رہ گئی ہیں وہ اپنے گردوپیش دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے اگر کبھی دیکھتے ہیں تو بس ''کتابی نظر'' سے وہ زندگی سے کٹ چکے ہیں، ان کے علوم میں نہ کوئی زندگی کی تڑپ ہے نہ رمق۔ [چند سطر کے بعد] اس قسم کے انقلاب اور اس کے لادینی فلسفہ کے ہولناک نتائج سے بچنا چاہتے ہو تو انقلاب کے اس دینی فلسفہ کو اختیار کرو جس کے ذریعہ تم خدا کو مانتے ہو ''لادینی فلسفہ'' علمبردار انسانیت کو نئی زندگی کی دعوت دے رہا ہے [جس میں صرف تخریب کاری بداخلاقی اور لادینیت ہے] تو تم ساری انسانیت کا ایک خدا ایک رزاق ایک رب کی فکر لے کر کیوں نہیں آگے بڑھتے، میں انقلاب کے اس دینی فلسفہ کا پیغام لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا یہ پیغام تمہیں لادینی انقلاب کے مضرت رساں اثرات سے محفوظ رکھ سکے گا، اور [ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ] کا مظہر بھی ہوگا۔ [شعور وآگہی صفحہ ۴۴ سے ۵۰] اس خطبہ نے لادینی سیاست کے مضر اثرات سے بھی آگاہ کیا اور ان تمام خطرات سے بھی آگاہ کیا جو آج زمینی حقائق بنے ہوئے ہیں۔

سیاست

قرآن میں بے شمار جگہ لفظ ''حکمۃ'' آیا ہے جس کو شاہ ولی اللہ اور بہت سے مفکرین نے سیاست سے تعبیر کیا ہے۔ ازالۃ الخفا میں حکمت کی تقسیم حکمت نظری اور حکمت عملی سے کی ہے جس کو سیاست مدن اور تدبیر منزل سے تعبیر کیا جائے گا، سیاست کے فن کو سب سے پہلے حضرت عیسی سے ۴۰۰ سال قبل مشہور فلسفی افلاطون نے چھیڑا تھا اور اس پر ایک کتاب [غیر مرتب] لکھی تھی جس کو بعد میں اس کے شاگرد ارسطو نے مدون اور مرتب کیا جس میں پریکٹکلی سیاست کے اصولوں پر پر زور دیا۔ حکمت جس کو [وزڈم] بھی کہا جا سکتا ہے، اس فن کے تین بڑے موجد مانے جاتے ہیں۔

[۱] تھامس ہابس Thomas Hobbes

[۲] لاک Lock

[۳] روسو Roussou

مذکورہ بالا دو مطلق العنانیت کے حامی [جس میں مذہبی عنصر بھی شامل ہے، اس کے] ہیں اور ''روسو'' رعایا کی حکومت [جمہوریت] کا قائل تھا، اسی فلسفہ کی سیکڑوں سال بعد ابراہم لنکن نے تفصیل کردی جو جدید فلسفہ عمرانیت کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسلام اور بقیہ مذاہب، ڈاوائن اور یحین [نظریہ خداوندی] کی طرف اس لئے مائل ہوے تاکہ انسانوں پر نیابت خداوندی قائم ہوسکے نیابت انسانی نہیں حالاں کہ بعد میں تھیوکریسی [پاپائیت] جیسی برائی بھی آگئی تھی۔ اسلام نے حکومت کے تمام طریقہ ذکر نہیں کیے، بلکہ دو طریقوں کی صراحت ملتی ہے اور کچھ کے لئے صرف اشارے اور کچھ لادینی علامتوں سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ طریقہ ناجائز ہے۔ اسلام صرف روحانی عقیدہ کا نام نہیں ہے۔ وہ دین ودنیا کی جامعیت رکھتا ہے۔ اس کے خزانہ ہدایت میں سیاست کے محاسن اور ریاست کے اصول وضوابط موجود ہیں۔ اس کا عنوان صرف ایک ہے اور وہ ہے ''عقیدہ حاکمیت'' ان الحکم الا للہ [حکم صرف اللہ کا ہے]

اسلام نے جس ریاست کی تشکیل کی وہ ریاست اپنی خصوصیات کے اعتبار سے الگ ہی انداز رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست دنیا کی پہلی ریاست ہے جس نے ملکی اور انتظامی قوانین وضع کیے۔ عدل وانصاف کی تعلیم دی اس ریاست کا مقصد یہ ہے کہ عدل اجتماعی [social Justice] کا وہ نظام قائم ہو جائے۔ جو انسان کی حریت، اخوت اور مساوات کے متوازن مجموعے کی حیثیت سے پروردگار کی رحمت و ربوبیت کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔ اس وقت دنیا میں مغربی جمہوری نظام سکہ رائج الوقت بنا ہوا ہے اور سمجھ لیا گیا ہے کہ اس سے بہتر نظم مملکت کوئی اور نہیں ہے۔

مگر یہ لادینی جمہوریت [خواہ اس کا عنوان مذہبی غیر جانبداری دیا جائے] اس میں بظاہر انسان آزاد نظر آتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو آمریت اور جمہوریت میں کوئی بہت زیادہ فاصلہ نظر نہیں آتا، اس نظام نے جمہور کو حق حکمرانی ضرور دیا ہے مگر اخلاقی قدروں سے اس کا رشتہ کاٹ کر نفسانی خواہشات کا غلام بنا دیا ہے اور دین ومذہب سے رشتہ کاٹ کر انسان ایک حیوان کی صورت میں زندگی گزار رہا ہے۔ اسلامی نظام کا ایک چھوٹا سا چارٹ اس طرح بنتا ہے۔

نظام الٰہی کا چارٹ

[۱] خلافت یا تمکین [غلبہ] فی الارض [نیابت الٰہی] کی طرح، یہ اصطلاح قرآن میں ''عبارۃ النص'' سے ظاہر ہے، ارشاد ہے کہ لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم۔ اب چاہے اس کو موعود بنایا جائے یا مقصود

[۲] دوسرا طریقہ ملوکیت [بشرطیکہ اس میں بھی نیابت الٰہی ہو، اس] کے ذریعہ۔ یہ طریقہ دلالۃ النص سے ظاہر ہے، جیسا کہ حضرت داوود اور حضرت سلمان علیہما السلام کے ذکر میں ہے [باقی]

[۳] ایسی ملوکیت چاہے شورائی ہو یا دستوری یا مذہبی یا اشرافی اگر یہ سب ان الحکم الا للہ یعنی خدائی نظام کے تحت ہیں تو یہ طریقہ بھی اشارۃ النص سے ظاہر ہے جیسے ذوالقرنین کی حکومت یا عالمگیری حکومت پھر

[۴] امارت مستحبہ [یہ بھی اگر خدائی نظام کے تحت ہو] تو یہ بھی اقتضاء النص سے ثابت ہے جیسا کہ عزیز مصر کا ذکر ہے سورہ یوسف میں۔

اس کے بعد [۵] آمریت مبغوضہ یا مذمومہ [صرف نام کا خدائی نظام ہو] جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے [ملک عضوض یعنی ڈکٹیٹرشپ والا انداز] یہ طریقہ بھی باکراہت مباح مانا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بقیہ وہ تمام طرز حکومت جس میں انسان انسان کا حاکم ہو یا سب ایک دوسرے کے حاکم اور سب ایک دوسرے کے محکوم ہوں یا سب کی مادر زاد آزادی کا نعرہ ہو چاہے وہ شورائی ہو یا دستوری ہو صدارتی ہو یا پارلمانی ہو یہ سب طریقے ناجائز ہیں اس کا نام آمریت رکھا جائے یا کچھ اور رکھ دیا جائے۔ یہ سب لادینی حکومت کہلائیں گی، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر اس میں خدائی حکومت کی کوشش کی اجازت ہو اور اس حکومت کو خدائی حکومت کے لئے ذریعہ بنایا جاسکتا ہو تو پھر یہ مسئلہ مختلف فیہ بن جائے گا، گویا اسلامی سیاست کو مختصرا اس طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

طریقہ کا نام	حکم	مثال
خلافت [مقصود یا موعود]	فرض کفایہ	خلافت راشد
ملوکیت [اسلامی، شورائی یا دستوری]	واجب	اموی، عباسی
امارت [دستور کافی اسلامی ہو]	مسنون	ذوالقرنین
آمریت [ملک عضوض کھلی حکومت]	مکروہ	حجاج بن یوسف
فسطائیت [اگر عملاً دینی آزادی ہے]	مکروہ تحریمی	سرمایہ دار حکومتیں
جمہوریت [صرف کاغذات میں آزادی]	مکروہ تحریمی	انڈیا اور دیگر ممالک جمہوریت
[لادینیت، اشتراکیت]	حرام	روس، چین وغیرہ

لادینی سیاست کے مضر اثرات

[۱] جمہوریت ....حکومت کے نام پر

[۲] عصبیت ....قومیت کے نام پر

[۳] وطنیت ....سرحدیت کے نام پر

[۴] مشرقیت یا مغربیت ....جغرافائیت کے نام پر

[۵] اشتراکیت ....مواسات کے نام پر

[۶] فرعونیت ....تعلیم کے نام پر

[۷] جہالت ....جھوٹی پیری مریدی کے نام پر

[۸] بدعت ....مذہب کے نام پر

[۹] علاقائیت ....رسوم و رواج کے نام پر

[۱۰] نسلیت ....ذات پات کے نام پر

جمہوریت کے اثرات

[۱] کوئی محکوم نہیں سب حاکم حالانکہ قرآنی ارشاد ہے کہ الیس اللہ باحکم الحاکمیں [کیا اللہ تمام حاکموں کا حاکم نہیں]

[۲] اس میں سر گنے جاتے ہیں سمجھے نہیں جاتے حالاں کہ قرآن کہتا ہے، فاذا عزمت فتوکل علی اللہ یعنی مشورہ کے بعد اگر ایک فرد [امیر] کی رائے مناسب ہے تو اسی کا ارادہ کر کے اللہ پر توکل کرو۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ نہ دینے والوں کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔

[۳] پبلک کی خواہش دیکھی جاتی ہے رضائے الٰہی ہو یا نہ ہو اگر پبلک کو شراب پسند ہے تو اس کے جواز کے لئے قانون بن سکتا ہے۔

[۴] قانون اس کا جس کی [کسی بھی طرح] اکثریت ہو حالاں کہ فرمان الٰہی ہے کہ ولکن اکثرھم لا یعقلون۔

[۶] ہر سرکاری پراپرٹی یا چیز پر سب کی ملکیت، حالاں کہ قرآن کہتا ہے کہ للہ ملک السموت والارض۔ یا۔ وللہ المشرق والمغرب۔

[۷] ہر وہ برائی جس میں وطن یا وطن والوں کا نقصان نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔ حالاں کہ فرمان الٰہی ہے تلک حدود اللہ و من یتعد حدود اللہ فقد ظلمہ نفسہ۔ گویا اسلام نے کچھ حدود مقرر کی ہیں

اسلام اور جمہوریت

ان کے میخانہ میں ہے سب کی رضا مطلوب۔
ہمارے پیمانہ میں ہے ایک کی رضا مطلوب۔
ان کے ایوان میں ہے سب حاکم نہ کوئی محکوم۔
ہمارے دیوان میں ہے ایک حاکم سب محکوم۔
وہ ہمارے سروں کی گنتی گنتے ہیں۔
ہم ان کے سروں کا وزن تولتے ہیں۔
وہ سمجھتے ہیں کثرت میں برکت۔
جبکہ ہماری برکت ہے با کثرت۔
وہ کہتے ہیں کہ نمائندے ہم عوام کے۔
ویہم ہم نمائندہ خدائے علام کے۔

قومیت کے اثرات

[حالاں کہ قومیں صرف دو ہیں اللہ کے فرماں بردار اور اللہ کے باغی]

فرمان الٰہی ہے۔ فمنکم کافر و منکم مومن

[۱] تعصب کی وبا پھیلتی ہے [۲] حق کو چھپا کر اپنی قوم کو برحق بتانا [۳] انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا

وطنیت کے اثرات

[۱] انسانیت کے ساتھ زمینوں کے ٹکڑے کرنا۔ وسخر لکم مافی الارض

[جبکہ مسلم ہیں ہم سارا جہاں ہمارا]

[۲] اللہ کی زمین پر اپنی ملکیت جتانا [۳] فطری محبت [جیسا کہ آں حضرت نے ہجرت کے وقت مکہ کو مخاطب کر کے فطری محبت کا اظہار کیا تھا] اس کو ابھار کر غیر فطری محبت کرنا بلکہ زمین کی محبت کو معبود بنالینا جس کو وطن پرستی [پوجا] کہا جاتا ہے۔ [۴] صرف اپنے ملک کا فائدہ دیکھنا، چاہے دوسرے ملک کا نقصان ہو رہا ہو [حالاں کہ حدیث شریف میں ہے جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔ بخاری]

مشرقیت یا مغربیت کے اثرات

[۱] اپنے طریقہ رہن سہن کی برتری اور اسی کے فوائد پر نظر رکھنا [حالاں کہ فخر، و کبر، نخوت اور خودغرضی بری صفات ہیں فرمایا گیا، الھکم التکاثر یا الکبر ردائی۔

[۲] انسانون کی جغرافیائی تقسیم کو ہدف بنانا۔ حالاں کہ فرمان ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوان اکرمکم عنداللہ اتقاکم گویا صرف پہچان کے لئے تقسیم ہے۔

[۳] ایک دوسرے کا کلچر اپنانا [جو کہ مباح ہے] وہ معیوب مانا جاتا ہے۔

اشتراکیت کے اثرات

[۱] غیر فطری مساوات جس سے انتشار اور بدنظمی کو دعوت دی جاتی ہے جبکہ فرمان الٰہی ہے اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ

الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔ کیوں کہ جس شخص کی جتنی صلاحیت ہے اتنا ہی وہ دنیا کو فائدہ پہنچائے گا مگر اسی شخص کو اپنے فطری مزاج کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

[۲] انسان کو صرف ایک مشین بنا دیا گیا اس کے جذبات واحساسات اشتراکیت میں کوئی معنی نہیں رکھتے۔

[۳] غریب امیر بننے کی تگ ودو میں اور امیر مزید امیر بننے کی کوشش میں لگا رہتا ہے یہ ہمیشہ کے لئے ایک دوڑ نہیں بلکہ نفرت بھری فائٹ ہمیشہ چلتی رہتی ہے۔

[۴] ایک ماہر سبجکٹ اور غیر ماہر دونوں کے مشوروں کو مساوی ماننا ہوگا۔

[۵] فطری ضروریات میں بھی غیر فطری تقسیم ہوگی۔

[۶] عورتوں اور کمزوروں کو [برابری کی وجہ سے مجبوراً] طاقتوروں کے اور مردوں کے مقابل ہر شعبہ میں لانا ہوگا۔

کاروباری تعلیم کے اثرات

[۱] ٹیکنولوجی۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر لادینیت کے ساتھ

جبکہ قران کا فرمان ہے، انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

[۲] لوجک۔۔۔۔۔۔۔۔۔، بدتہذیبی کے ساتھ

[۳] معلومات۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر ٹھوس علم کے بغیر

[بقول قاری طیب صاحب آج کل علوم نہیں صرف فنون سکھائے جاتے ہیں اور بقول علامہ مودودی آج کل کی تعلیم اسلام کیلئے سم قاتل ہے اور میرے نزدیک کونفیڈنس کے نام پر بدتہذیبی جس میں بڑوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا سکھایا جاتا ہے]

جاہلانہ تصوف اور پیری مریدی کے نقصانات

[۱] اسلام کی بالکل غلط تصویر اپنوں اور غیروں کے سامنے آتی ہے جو کہ بلغ ما انزل

الیک کے خلاف۔

[۲] جہالت کے ساتھ فریبوں کا فریب بھی بڑھتا ہے۔

[۳] غلط اعتقادات کی ترویج ہوتی ہے۔

بدعت کے نقصانات

[۱] مذہب کا چہرہ بدل جاتا ہے اور اس میں نئی نئی موشگافیاں ہوجاتی ہیں جبکہ فرمان ہے ان البدعة فی الضلالہ و الضلالة فی النار۔

[۲] اسلام کا ماخذ قرآن وحدیث کے بجائے خواہشات نفس بن جاتا ہے فرمان ہے۔ لا تھوی الانفس۔

علاقائیت کے نقصانات

[۱] فرسودہ نظام اور رسوم رواج سے چمٹ کر ترقی کی راہیں مسدود کرنا۔

[۲] کبھی کبھی مذہبی قانون سے زیادہ ان رسوم پر جم جانا۔

[۳] تائید میں مذہب کو استعمال کر لینا۔

[۴] دوسروں کی ترقی سے نہ استفادہ نہ افادہ۔

نسلیت کے نقصانات

[۱] ہندو ذات برادری کا چربہ۔ اونچ نیچ کی بیماری حالاں کہ قرآن کہتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

[۲] صلاحیتوں کو کسی ایک ذات میں محدود کر دینا۔

[۳] کاموں میں اونچ نیچ کا تصور قائم ہونا۔

[۴] کسی میں احساس برتری کسی میں احساس کمتری پیدا کرنا۔

باب رابع

نظریہ میں تزلزل

بس یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جن کا اثر صدیوں پر محیط ہوتا ہے، انقلابی دنیا میں ایسے تاریخی لمحات بڑے معنی خیز ہوتے ہیں اگر کسی نکتۂ نظر کا زاویہ ایک سینٹی میٹر بھی اپنے محور سے ہٹ گیا تو آگے چلکر ہزاروں کلومیٹر دور ہوتا چلا جاتا ہے اور یہی لمحہ برصغیر کی قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ مشہور ہے حضرت عمر کے پیروں کے نیچے ہزاروں فتنہ دبے تھے اسی طرح ایک جامع پالیسی میں بے شمار حکمت عملیاں چھپی ہوتی ہیں، جو ''مشن وہابی، مشن قاسمی اور مشن شیخ الہند'' میں تھیں اب ان میں دراڑیں پڑنی شروع ہوگئیں، اور یہ حکمت عملیاں آپ کے جانشیں اور نائبین میں اپنی اپنی صلاحیتوں اور ادراک کے مطابق بٹ گئی، اکثر علماء کو یہ ادراک ہوگیا تھا کہ شیخ کی حکمت عملی یقیناً مورچہ بدلنے کی تھی گویا اب ہمیں پرانے منطقی اور کتابی انداز کے بجائے حالات حاضرہ کا آلات حاضرہ سے مقابلہ کرنا ہوگا اسی لئے ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق اور مہارت کے مطابق تقسیم کار کرلیا، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے علمی لائن اختیار کی اور احادیث سے فقہ کو سنوارنا شروع کیا کیوں کہ علامہ انور شاہ کشمیری بھی علامہ سندھی کی طرح اس محدود سیاست کے مضر اثرات کو بھانپ گئے تھے اور اس نئی محدود [وطنی] سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتے تھے، بلکہ دارالعلوم چھوڑ کر ان کے ڈابھیل جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اسی طرح دارالعلوم کی جلیل القدر شخصیت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تربیت مسلمین بلکہ سماج سدھار کو اپنے ذمہ لیا اور اس نئی سیاست سے علاحدہ رہے۔ ان کی رائے بھی اس وقت کی محدود سیاست کیلئے نفی میں تھی۔ اسی لئے سیاست سے کنارہ کشی کو بہتر سمجھا، ایک مرتبہ حضرت قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم [سے میں نے خود یہ بات سنی کہ انہوں] نے

اپنی عصری مجلس میں حضرت تھانوی صاحب کا ایک عجیب قول بیان کیا کہ کسی (نام ذہن میں نہیں رہا، غالباً نواب رامپور) نے حضرت تھانوی سے سوال کیا کہ حضرت بغیر کسی تمہید کے یہ بتائیے کہ آپ سیاست میں کیوں حصہ نہیں لیتے، حضرت نے فرمایا کہ بغیر کسی تمہید کے جواب یہ ہے کہ ہم کامیاب نہیں ہوں گے کیوں کہ آج کی سیاست مذہب کو استعمال کر لیتی ہے اور ہم اس میں شامل نہیں ہونا چاہتے، اس کی تائید حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری کے ملفوظات کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے "ارے مولوی ہار گیا" ارے مولوی ہار گیا کیوں کہ ان اکابرین کو اندازہ ہو رہا تھا کہ نمک کی کھان میں ہر چیز نمک ہی بن جاتی ہے، چاہے کتنی ہی مصلحت والی سیاست اختیار کی جائے گندی سیاست کی گندی چھینٹیں تو ضرور پڑیں گی لہٰذا ایسی سیاست سے پہلو تہی کو بہتر سمجھا۔ مولانا الیاس صاحب نے تبلیغ مسلمین کو اپنا کر سیاست سے کنارہ کشی کر کے عافیت کا راستہ اپنایا۔ اور تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھ دی، جس کا کام آج تک جاری ہے۔ حافظ احمد صاحب نے اقتصادیات کے ذریعہ جدید ٹیکنولوجی لانے کی کوشش کی جس کا عملی ثبوت قاری طیب صاحب کی زیر نگرانی دار العلوم میں طبیہ کالج کا قیام تھا۔

مشن شیخ الہند پر حالات کے اثرات

وقت تیزی سے کروٹیں لے رہا تھا اور دیوبند کے کچھ علماء کرام نے اس وقت کی سیاسی دلدل میں قدم رکھا اور آزادی وطن یا آزادی ملت کے لئے متحدہ قومیت یا دو قومی نظریہ کے جھنڈے تلے چلنے کو اپنایا اور یہیں سے شیخ الہند کی پالیسی مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی بلکہ محدود وطنی قومی سیاست میں سمٹ گئی جس میں فرنگیوں سے آزادی ایک اہم سرگرمی تھی کاش فرنگیوں پر بھی دعوت دین پیش کی جاتی۔ قرآن کہتا ہے ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاری۔

[مسلمانوں سے دوستی میں سب سے زیادہ قریب عیسائیوں کو پاؤ گے]

متحدہ قومیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستانی مسلمان اب ایک معاہداتی زندگی گزارے گا، جو فی نفسہ برا نہیں ہے۔ تاریخ سے معاہدے بھی ثابت ہیں مگر زمینی حقیقت یہ ہے کہ ایک طاقت دوسری طاقت سے معاہدہ کرتی اور وہی نبھاتا بھی ہے اور بچتا بھی ہے ورنہ ایک آواز جو ابھی طاقت نہ بنی ہو دوسری طاقت سے اس کا صرف دکھاوے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اندلس پر ۷۰۰ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی اور غرناطہ کے آخری تاجدار ابوعبداللہ نے عیسائی فوج کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اس معاہدہ کے اندر یہ بات طے ہوئی تھی کہ مسلمان اپنی عبادت کے لئے آزاد ہوں گے اور مسلمانوں کی عبادت گاہیں برقرار رکھی جائیں گی مسلمانوں کے ساتھ عبادات اور تعلیم میں کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، لیکن جوں ہی فرڈیننڈ غرناطہ میں داخل ہوا معاہدہ کی دھجیاں اڑادیں ساری مسجدیں کلیساؤں میں تبدیل ہوگئیں کتب خانے جلادیے گئے مسلمانوں نے اذیتوں سے مجبور ہوکر مراکش ہجرت کرلی۔ یہی حال ہندوستانی مسلمانوں کا ہے، آج کے زمانہ میں فزیکلی مسجدیں مندر تو کم ہی بنیں مگر مسلمانوں کے دل ایسے مندر بن گئے جس میں بے شمار صنم بیٹھ گئے ان کے افکار اور نظریات اتنے مخلوط ہورہے ہیں کہ اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی پھر مسلمان کہلوانے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے بلکہ فخر محسوس کرتے ہیں اور قومیت کے ایک ہی دھارے میں سب کچھ بہنے لگا ہے

اسلامی قومیت

حالاں کہ اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی یا مادی نہیں بلکہ ایک خالص عقلی اور نظریاتی ہے، ایک گھر کے دو آدمی اس دائرہ سے جدا ہوسکتے ہیں اور دور دراز کے علاقہ والا اس قومیت میں داخل ہوسکتا ہے، یہ قومیت انسان کو اصول پسند بناتے ہیں حسی قوم پرستی انسان کو مطلب پرست بناتے ہیں، وہ صرف اپنے قوم کا فائدہ چاہتی ہے، قرن اول سے آج

تک مسلمانوں پر جو تباہی نازل ہوئی ہے اسی قومیت کے بدلے ہوئی ہے ہاشمی النذار کے مقابل اموی عصبیت سے لیکر عرب عجم مغل اور ہندوستانی تک اسی فتنہ نے زوال کی راہیں ہموار کی ہیں، یہ وطنی قومیت ترک کے لئے چنگیز خاں اور ہلاکو کو ہیرو بناتی ہے، ارجن اور بھیم ہند کا ہیرو بنتا ہے، آب زمزم، گنگا جل ایک ہو جاتا ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے جب ثانیہ مرزا نے شعیب ملک سے شادی کی تو میرے ایک شاگرد نے [جو اب وہ ماشاءاللہ آئی سی میں اور تفسیر وحدیث انگریزی میں پڑھاتے ہیں اچھی پڑھی لکھی شخصیت ہیں] جذبہ ہندوستانیت سے مغلوب ہو کر اور قومیت کے جذبہ میں ڈوب کر جو جملہ مجھ سے کہا تو میں انگشت بدنداں رہ گیا کہ ایک اسلامی ٹیچر جو دین کو سمجھتا ہے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ'' مولانا وسیم صاحب ثانیہ نے تو پاکستان میں شادی کر کے ہم سب کی ناک کٹادی، دل میں آیا کہ پوچھوں کہ ایک مسلمان کی مسلمان سے شادی میں ناک کٹ گئی اور جو صرف نام کے مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو روشن خیال یا اشتراکیت پسند کہتے ہیں جیسے چھاگلا، اور ہدایت اللہ، جاوید اختر، شبانہ اعظمی اور شاہ رخ جیسے لوگوں نے شاید ہماری ہمت افزائی کی ہے، یا جو روزآنہ صبح وشام غیر مذہب میں لو میرتج ہو رہی ہیں غالباً یہ ملت کے لئے المیہ نہیں طربیہ ہے،، اسی لئے دیکھتی آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ اور خدشہ ظاہر کر رہی ہیں کہ کہیں برصغیر بھی بوسنیہ اور چیچنیا نہ بن جائے کہ شراب بھی پیے اور خنزیر بھی کھائیں اور مسلمان بھی کہلائیں اور پھر بری مسلمانوں کی طرح ذبح بھی ہوں اور خدا نہ کرے یہ وطن ہی ہمارا کفن نہ بن جائے اور اسلام کی روحانیت پر کفن نہ پڑ جائے۔ الامان الحفیظ۔

نظریہ قومیت کا اثر

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ نظریہ قومیت دوسری بیماریوں کو بھی کھینچ لایا مثلاً بڑے بڑے علماء کو [اور سیاسی قومیت۔تہذیبی قومیت عقلی قومیت، نامی قومیت۔فطری قومیت کے علمی

مباحث کے ذریعہ | تاویلات سے کام لینا پڑا پھر فلسفہ بن گیا قومیں اوطان سے بنتی ہیں جس پر علامہ اقبال جیسی شخصیت کو اپنے تعجب کا اظہار کرنا پڑا۔

حالاں کہ بقول مفتی تقی عثمانی لغوی اعتبار سے قومیت کا اطلاق ہم وطن ہم نسل ہم نسل لوگوں پر ہوتا ہے لفظ قوم قران کریم میں اس معنی میں بھی آیا ہے، چنانچہ انبیاء کرام اپنے لوگوں کو یاقوم یاقوم کہہ کر خطاب فرماتے تھے، حالاں کہ وہ کافر لوگ تھے لیکن اسلام نے اس کو سیاسی وحدت بنانے سے بالکل انکار کردیا، بلکہ ارشاد ہے کہ **هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن** یا فرمایا گیا **اذقالو القومهم انا برآئو منکم و مما تعبدون من دون الله**، یا ایک مہاجر اور انصار کے جھگڑے ہر ایک نے اپنے اپنے لوگوں کو مدد کے پکارنے کے لئے یاانصار یا مہاجر کا نعرہ لگایا تو آپ نے ناراضگی سے فرمایا یہ بدبودار نعرہ ہے ایک روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت کا نعرہ ہے گویا فزیکلی اعتبار سے یا عالم محسوسات میں ممکن ہے ہم وطن ایک قوم ہو مگر نظریاتی اعتبار سے زمین وآسمان کا فرق ہے، بس اسی محسوسات کی حقیقی رہگزر سے شیخ الہند کے جانشین بھی گزرے اور قوم کے معنی وقت کے جو محسوس تقاضے تھے وہ اپنالیے جس کے نتیجہ میں ''یہ قوم'' اپنے ساتھ وطن، جمہوریت، نیشلزم، اشتراکیت، مشرقیت، وطنی رواج بلکہ مذہبی رسوم، وعقائد کے جراثیم کھینچ لائی اور اب نئی پیڑھی غیر محسوس طور پر ''مشن قاسمیت ووہابیت'' سے دور سے دور ہوتی چلی گئی اور اس طرح یہ مشن ٹھہر گیا اور اپنے محور سے ہٹا نہیں تو سمٹا ضرور ہے۔

باب خامس

دوقومی نظریہ

یہی لادینی اور محدود سیاست تھوڑے بہت ردوبدل کے بعد ایک دوسرے فکر میں ڈھل کر سامنے آئی اور سیاست میں ایک اور رائے بنی۔ وہ رائے آزادی ملت کی تھی[جس سے دوقومی نظریہ بنا جس کے نتیجہ میں پاکستان بنا] یہ رائے مسلم لیگ کی تھی جس کے چیدہ چیدہ راہنما علامہ اقبال محمد علی جناح مولانا شبیر عثمانی اور ظفر تھانوی دیوبندی جیسے علماء تھے کچھ دیگر علماء جیسے مولانا ابوالاعلی مودودی وغیرہ کا میلان بھی [بہ نسبت کانگریس کے] مسلم لیگ کی جانب تھا، کیوں کہ اس میں صحیح حکومت نافذ کرنے کا اختیار مسلمانوں کے پاس تھا[کاش اپنے اختیار کو صحیح استعمال کر سکتے] لیکن دونون رائے میں قدرے مشترک آزادی ہند اور فرنگیوں کو دیش نکالا دینا تھا جس میں دونوں مکتبہ فکر کو ظاہری کامیابی بھی ملی۔ مگر سب سے اہم اور بنیادی نکتہ نظر ''نفاذ اسلامی'' بیک پر ہوتا چلا گیا، جس کے بارے میں بھی کچھ علماء کرام نے بروقت متنبہ بھی کیا اس رائے کا خلاصہ اس طرز پر تھا کہ آزادی ہند کی پالیسی سے کچھ آگے بڑھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے ایک ایسی علیحدہ اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی جائے، جس میں وہ آزادانہ اسلامی قانون نافذ کر سکیں، یہ فکر کافی حد تک فکر ولی اللہی کی تکمیل کرتا تھا۔ وہابی تحریک کی جانب میلان تھا شاہ اسمٰعیل اور سید احمد کی تحریک سے ملتا جلتا تھا قاسمی مشن اور تحریک شیخ الہند کے عالمی مشن کا یہ بھی ایک حصہ تھا یہی فکر کچھ ردوبدل کے بعد علامہ اقبال اور مولانا مودودی اور کچھ دیگر مفکرین نے بھی اپنایا، یہ حضرات اس حیثیت سے تو کامیاب ہوئے کہ زمین کا ایک حصہ پاکستان کے نام پر ان کو مل گیا مگر ان حضرات کی محنت تقریباً رائیگاں گئی، پاکستان تو بنا کچھ لوگوں نے ہجرت بھی کی مگر یہ نئی سیاست ایک آزاد مملکت میں عوام کی

مرضی کا ایک آزاد اسلام چاہتی تھی اور علماء جس طرح متحدہ قومیت میں استعمال ہورہے تھے اسی طرح یہاں بھی ان کو استعمال کرلیا گیا [کیوں کہ اب سیاست شاہ ولی اللہ والی ''تدبر منزل'' نہیں بلکہ ''استفادہ منزل'' بن گئی تھی] گویا مکان تو ملا مگر اسلامی مکین نہ ملے وطن تو ملا اسلامی وطن والے نہ ملے کیوں کہ اسلامی نظام کیلئے صرف مکاں نہیں بلکہ ایسے مکیں بھی ضروری ہیں جن کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہوچکا ہو ان کے دل کی ہر دھڑکن اسلامی نظام کو دعوت دے رہی ہو ہر سانس مکی زندگی کی بھٹی سے گزر کر مدنی زندگی میں قدم رکھنا چاہتا ہو مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ جو نظام بھارت میں رام دین اور رام گوپال چلارہے تھے وہی نظام پاکستان میں عبداللہ اور عبدالرحمن چلانے لگے۔ حتی کہ جب پاکستان میں پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ہوا تو مولانا شبیر عثمانی کو شرکت کی [تبرکا] دعوت دی گئی اجلاس کے بعد مولانا کافی ناراض نظر آئے فرمایا پوری کاروائی تو انگریزی میں تھی مجھ کو کیوں بلایا گیا میں کیا مشورہ دیتا اور کیا راہنمائی کرتا؟ [دارالسلام، صفحہ ۱۳، جون ۲۰۱۲ء]

اس کی اصل وجہ انگریزی نہیں بلکہ زاویہ نظر کا اختلاف تھا وہاں سب کے ذہن میں تھا کہ مولانا کو انسانی قانون سازی سے کیا مطلب جب کسی مذہبی مسئلہ [جو کے انسان کا پرسنل معاملہ ہے] کی راہنمائی لینی ہوگی تو ان سے پوچھ لیا جائے گا۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ بعد میں مولانا کو زہر دے دیا گیا، بلکہ ہر مخلص لیڈر کو راستہ سے ہٹادیا گیا۔ جس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ نظام اسلامی کا نعرہ تو لگا مگر قلب مومن پر نفوذ اسلامی نہ ہوا۔ اور مسلمانوں کی صلاحیتیں بھی اسلام سے بھٹک کر روٹی کپڑا مکان پر لگ گئیں اور جس مسلم عوام کیلئے بزگوں نے سیاست کی سیڑھی چڑھی وہ عوام اتنے گہرے گڑھے میں گرے کہ اب ان کی اکثریت خود ہی نہیں چاہتی کہ اسلامی نظام نافذ ہو کیوں کہ اسلامی نظام سے عوام نہ تو متعارف ہے نہ اس کی قدر جانتی ہے بلکہ نئی سیاست کے دلربا، دلفریب اصنام [قومیت وطنیت، جمہوریت] کے آگے سر جھکانے کو تیار ہے اور اب تو خود عوام کے ہاتھ میں طاقت ہے ان کی اپنی ہر جائز اور ناجائز

خواہش کی تکمیل ہی آزادی کہلانے لگی اور اسلامی نظام کے بجائے عوام کی رضاء ہی مطلوب ومقصودہ ہوگئی [رضاء الٰہی بہت دور ہوگئی] بلکہ اب تو یہ موضوع ہوگیا کہ پاکستانی عوام پر حکومت کس ایشو کے ذریعہ کی جائے۔ وہاں کی مذہبی سیاسی جماعتوں کا نعرہ بھی اب وطن اور اس کے عوام کی خوشنودی بن گیا رضاء الٰہی بہت پیچھے رہ گیا جنرل ضیاء جیسے بھی اسلامی نظام کا نعرہ لگا کر چلے گئے کچھ مذہبی جماعتیں بھی ساٹھ سال سے صرف تنقید پر زندہ ہیں۔ کوئی بھی کچھ اس لئے نہیں کرسکتا کیوں کہ طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے اور عوام زبان سے اسلامی نظام کا انکار نہیں کرتی مگر زبان حال سے اس کو رد کرتی ہے کیوں کہ انسان کی "فطرت بہیمی" مادرزاد آزادی چاہتی ہے جس کو انسانوں کا بنایا ہوا قانون مزید ہوا دیتا ہے۔ ایسی آزادی کی کوئی لگام نہیں ہوتی بس انسان کی اپنی "فطرت ملکوتی" کسی حد تک کچھ پابندی لگانے کی کوشش کرتی ہے اور اس "مادرزاد آزادی" کو کچھ اعتدال پر لانے کی کوشش کرتی رہتی ہے جس کو ہم ضمیر کہہ دیتے ہیں اسی کی وجہ سے ابھی تک گاڑی چل رہی ہے۔ ورنہ علامہ اقبال اور مولانا شبیر صاحب کے پاکستان کی حالت مزید خراب ہوچکی ہوتی۔

لہٰذا اس لادینی سیاست کے وہی اثرات سامنے آئے جو اس کا منطقی نتیجہ تھا۔ ببول بو کر گلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی پاکستان کے لئے بھی اسلام اور علماء اسلام کو صرف استعمال کیا گیا جس طرح ہندوستان میں استعمال کیا گیا اور آج تک دونوں جگہ بلکہ ساری دنیا میں استعمال کیا جارہا ہے اس طرح نفاذ اسلامی بیک پر ہوتا چلا گیا بلکہ ایک تنفر شئی بنتی چلی گئی۔ اب اسلام ایک دہشت گردشئی بن گیا جبکہ اس کی ماہیت میں ہی سلم یعنی امن اور پیس ہے۔

خرد کا نام جنون رکھ یا جنوں کا خرد ☆ جو چاہے آپ کی چشم کرشمہ ساز کرے

پہلے منزل یا راہ منزل

حتی کہ بعض وہ جماعتیں جن کے نزدیک منزل مقصود نفاذ اسلامی ہے مگر جمہوری راستہ

سے لیکن اب مقصود کی جگہ ان کو بھی راستہ کی زیادہ فکر ہوگئی۔اس جماعت کے کچھ قابل افراد نے ڈائرکٹر آف بنک آف آل انڈیا کو غیر سودی نظام کا ایک پروگرام بھیجا جس کو منظور کرلیا گیا مگر وہاں سے یہ جواب آیا کہ لفظ اسلامی ہٹا دیا جائے صرف غیر سودی سسٹم نام رکھ دیا جائے [بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ] یہ بات مان لی گئی، جب کچھ افراد نے احتجاج کیا کہ لفظ اسلامی کیوں ہٹایا گیا تو ذمہ داروں نے جواب دے دیا کہ مقصد تو سودی سسٹم سے بچانا ہے وہ پورا ہوگیا [گویا اس ترویج میں اسلام کی تاخیر بھی قبول] مجھ کو یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ جناب اعجاز اسلم صاحب سے دمام میں دریافت کیا کہ جماعت آج کل رخصت کی راہ پر ہے یا عزیمت کی راہ پر۔فرمایا آپ بھی سوچیے میں بھی سوچتا ہوں۔یقیناً ان کے خلوص پر کسی کو شک نہیں مگر ملت کی سوچ کہاں جارہی ہے؟اس پر سوالیہ نشان ہے جماعت کے کچھ جدید لٹریچر میں نئی سیاست کی مدح سرائی نہیں تو برائی بھی نہیں ہے کچھ کتابوں میں تو نئی سیاست کو باطل نظریہ کہنے سے ہی انکار کردیا گیا بلکہ کہا گیا کہ؛یہ ایک نظام سے دوسرے نظام اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں حکومت کی تبدیلی کا پرامن اور مہذب ذریعہ وطریقہ ہے نہ کہ کوئی فلسفہ حیات یا باطل نظریہ بلکہ کسی مفروضہ فسطائیت سے ڈرا کر نئی سیاست کو ہی ناخدا ثابت کیا گیا ہے لیکن ان جزئیات کو چھوڑ کر آج بھی دیوبندیت وہابیت جماعت اسلامی اور بقیہ جماعتیں برصغیر کے لئے بہت اہمیت کی حامل ہیں یہ قوم کا ایک بہترین اثاثہ ہیں ان کا اساسی فکر وہی ہے جو صدیوں پہلے تھا۔ہم صدیوں سے ایک رچ قوم تھے کنگال ہونے کے بعد بھی ہمارے کاسہ گدائی میں بے شمار قیمتی ہیرے پڑے ہوے ہیں بس نظر اور پرکھ کی بات ہے۔زاویہ نظر اپنے اساس پر جلد واپس آئے گا اور وہ وقت جلد آنے والا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا ☆ لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

نجات

برصغیر کے بزرگوں کی محنتوں کا یہ بھی ثمرہ ہے کہ آزادی فکر اور دعوت وتبلیغ کی آزادی ہر

شہری کو ملی ہوئی ہے جو کہ ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کے ذریعہ نظام اسلامی کا تعارف اسلامی افراد کے کردار کا تعارف کرایا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ کروڑوں افراد تک پیغام امن پیغام سلم پہنچایا جاسکتا ہے کہ جو تمام مصیبتوں کا نجات دہندہ ہے۔ اسلام نجات دلاتا ہے ہر اس تنزلی سے جو ذریعہ بنتی ہے سر جھکانے کا وہ سر اٹھا کر جینا سکھاتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے ہر فکری غلامی سے نجات، کلچر کی غلامی سے نجات، رسوم ورواج کی غلامی سے نجات مذہب کے نام پر شرکیہ اعمال کی غلامی سے نجات تقوی کے نام پر جاہلانہ تصوف اور پیری مریدی کی غلامی سے نجات اور سب سے بڑی غلامی مادی اور حسی غلامی جو روٹی کپڑا مکان یا غریبی امیری کے نام پر رگوں میں دوڑ رہی ہے۔ اس سے نجات اس سے چھٹکارا ابھی برصغیر کے لئے اہم ترین ضرورت ہے۔ اسی نجات کے لئے ولی اللہی تحریک کئی حصوں میں بٹ گئی دار العلوم ندوۃ العلماء جامع فلاح جیسے اداروں نے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری لی تبلیغی جماعت نے ابتدائی اصلاح ہاتھ میں لی۔ جماعت اسلامی اور جمعیۃ العلماء نے سیاست کی باگ ڈور سنبھالی اہل سنت والجماعت نے عشق نبی کی تسبیح پکڑی ذاکر نائک جیسے حضرات نے مناظراتی پہلو اپنایا، کچھ حضرات نے مجلس مشاورت یا پرسنل لا کو چنا۔ چہار سو بکھری ہوئی ہے داستاں میری

دل ودماغ بے تاب سکوں نہیں ہوتا۔ کئی حصوں میں بٹنے کا غم کس کو نہیں ہوتا

دو برائیاں، بدعت، سیاست

دو بنیادی برائیاں بتدریج دیوبند بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں میں غیر محسوس طریقہ سے سرایت کر گئیں۔

[۱] بدعت جس کا آغاز ہمیشہ اچھی نیت سے ہوتا ہے اور یہ ایک شخصی ذاتی عمل یا رائے ہوتی ہے مگر انجام شرک پر ختم ہوتا ہے جس کا سد باب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شجر رضوان کٹوا کر کیا تھا جس کے لئے ابن تیمیہ، وابن قیم نے افکار وحدانیت کا پرچار کیا، عبد الوہاب

نجدی نے جہاد کی راہ اختیار کی مجدد الف ثانی نے اپنے بیانات شاہ ولی اللہ نے اپنی تالیفات سے اس کا رخ موڑا مشن قاسمی نے مناظروں سے اور شیخ الہند و علامہ کشمیری نے تدریس کے ذریعہ اس کو روکا۔ اسی بدعت کی جانب برصغیر کے صوفیانہ ماحول نے اور کچھ سیاسی ضرورت نے [کیوں کہ آج کی سیاست میں افرادی قوت کی بہت اہمیت ہے] ایک جھکاؤ اور میلان والا ماحول بنا دیا، جس کے نتیجہ میں نئی نئی برائیاں، رسم و رواج اور نظریات جنم لینے لگے، حالاں کہ دیوبند کے اساسی عقائد میں رد بدعت شامل ہے اور آج بھی کل بدعة فی الضلالہ و کل ضلالہ فی النار ہر دیوبندی اپنے منبر سے پڑھتا ہے مگر ہندوستانی ماحول میں شخصیت پرستی کے جراثیم اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ ان سے بچنا بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ احترام اکابر اور اکرام علماء بلکہ احترام مسلم ایک بہت ہی پسندیدہ فعل ہے، مگر کسی بزرگ کی ذاتی کیفیات کو [بجز ما انا علیہ و اصحابی یعنی انبیاء کرام اور صحابہ کرام کے علاوہ] اپنے اوپر زبردستی لاگو کرنا شاید بدعت کی تعریف میں آ جائے یہی وجہ ہے کہ ''تعامل اسلاف'' جیسے خوبصورت اور بے داغ عنوان سے بھی کچھ حضرات نے پہلوتہی کی ہے کہ کہیں یہ بیماری نادانستہ طور پر لگ نہ جائے اسی لئے دیوبند کا راہ اعتدال سے متزلزل ہونا اور نرم رویہ اختیار کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ کیوں کہ شخصیت پرستی کا بدعت سے چولی دامن کا ساتھ ہے اور بدعت وہ بیماری ہے جو شرک تک لے جاتی ہے اور پتا بھی نہیں چلتا کیوں کہ اس کی بنیاد قران و حدیث پر نہیں بلکہ ذاتی رائے پر ہوتی ہے جس کی تائید میں احادیث ضعیفہ بلکہ احادیث موضوعہ کا انبار لگ جاتا ہے اور یہاں سے دین کی بنیادیں متزلزل ہونے لگتی ہے۔

[۲] دوسری برائی یہ نئی سیاست ہے جس کا آغاز عوام کی خوشنودی سے ہوتا ہے اور انجام لادینیت اور جنگل راج پر ہوتا ہے اس برائی میں ہر طبقہ کے افراد بلکہ ہندو مسلم سب شامل ہیں یہ برائی ہر کس ناکس کو ڈس رہی ہے چاہے عوام ہوں یا علماء سب پر اس کا زہر کام کر رہا ہے، یہ جمہوریت، قومیت، وطنیت کے پھن سے سب پر وار کر رہی ہے، دنیا کی اکثریت بلکہ ہر

مذہب اس کی لپیٹ میں ہے یہ روشن خیالی، ماڈرنزم آزادروی، ہپی ازم اور مختلف ناموں سے گھر گھر موجود ہے۔ برصغیر کی بھی کوئی جماعت یا کوئی مسلک اس کے جراثیم سے بچا ہوا نہیں ہے چاہے دیوبند ہو بریلی ہو جماعت اسلامی یا جمعیۃ العلماء ہو، سب کو فسطائیت، کیپٹلزم یا امریکہ سے ڈرا کر خود ہر ذہن میں بیٹھ گئی اور ذہنوں پر غلبہ حاصل کر رہی ہے۔ حالاں کہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ دشمن اپنی طاقت اور ٹیکنولوجی سے پوری دنیا پر غلبہ پا رہا ہے اور سب کو دہشت گرد گردان رہا ہے اس کا علاج صرف طاقت ٹیکنولوجی ہے جو ہمیں سیکھنی پڑے گی ورنہ ہم مزید کنگال ہو جائیں گے۔ **ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیروا مابانفسھم**

اور اب برصغیر کے مسلمانوں کی صحیح تصویر اس طرح ہے۔

مسلمان کلچر میں .... یورپ کی تقلید

مسلمان افکار میں .... اشتراکیت کے دلدادہ

مسلمان رہن سہن میں .... مشرقی روایات کے گرویدہ

مسلمان مذہب میں .... علاقائی رسوم

مسلمان، سیاست میں .... جمہوریت پسند

مسلمان، عقائد میں .... اختلاط مسالک

چند ہندوانہ، کچھ توہمانہ، کچھ رافضیانہ، کچھ جاہلانہ، کچھ راہبانہ، کچھ جوگیانہ کچھ جاہلی تصوانہ

مسلمانوں کی بنیاد .... اسلامیانہ۔

علاج

مذہب اسلام کی ترویج کے لئے ایک لاکھ سے زائد انبیاء تشریف لائے، آخر میں خاتم الانبیاء تشریف لائے تاکہ اب یہ قانون صرف علاقائی نہیں بلکہ انٹرنیشنل قانون جاری وساری کیا جائے اور پھر کر کے دکھایا، یا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو ہوگا، ہر مومن اس عالمی فکر اور مشن کا امین بھی ہے اور ذمہ دار بھی، لہٰذا کوشش اسی عالمگیر مشن

کے قیام کی ہونی چاہئے، اس کا فائدہ کسی علاقہ تک محدود نہ کیا جائے، جب بھی اس حسی مادی یا انسانی وارضی قوانین سے مل کر یا معاہدہ کر کے کام کرنا پڑے تو جیسا کہ خلفاء راشدین نے کیا ان کے نقش قدم پر چلا جائے، مثلاً ہر ملک میں ایک خلیفہ کے نمائندہ ہوں، جو سماوی قانون کا ذمہ دار ہو، ہر نمائندہ اسلامی ہر علاقہ کے لوکل یا ارضی قانون کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے اسلامی قانون کا نفاذ اس کے ماننے والوں پر لاگو کرائے، اور یہ اس کی حکومتی ذمہ داری ہوگی، مسلم عوام کی دوہری ذمہ داری ہوگی ایک مذہبی ایک اخلاقی، مذہبی قانون کی خلاف ورزی پر اس کو خلیفہ وقت کے نمائندہ کی جانب سے سزا ملے گی جس میں علاقائی [یا ارضی] حکومت مکمل تعاون کرے گی جس طرح ہر اس علاقائی قانون کا سماوی قانون تعاون کرے گا جو اسلامی قانون سے متعارض نہ ہو، نیز جزئیات ہر ملک کی مناسبت سے طے کی جاسکتی ہیں، کاش یہ صرف ایک خواب نہ ہو بلکہ حقیقت کے جامہ میں ظہور پذیر ہو اور اسلام جیسے پرامن مذہب کو دہشت گردی اور آتنگ واد سے تعبیر کیا جانا ختم ہو، واللہ المستعان۔

دعاء ہے ہر جزوی عمل ایک مرکز کے تحت آجائے، تاکہ طاقت بکھر نہ سکے جس طرح تحریک وہابیت کا ایک روحانی مرکز ہے یعنی قرآن وحدیث اسی طرح ایک فزیکلی مرکز بھی ہو ایک ہی قانون ہو جو سرحدوں سے ماوراء ہو، ایک ہی امیر ہو، جو دوطرفہ نمائندہ ہو اللہ کا بھی اور بندوں کا بھی، تاکہ لیظهره علی الدین کلہ کا صحیح مظہر سامنے آئے۔

واللہ المستعان

وسیم قاسمی

۱۱ ستمبر ۲۰۱۳ء، بروز بدھ

ختم شد

مولانا وسیم اختر بلال قاسمی
کی تصنیف شدہ کتابیں

- تجوید القرآن
- تعلیم عربی
- تحسین اور تزئین
- ایام ذی الحجہ کی سرگرمیاں
- قرآن کیسے پڑھیں؟
- قاعدہ ابتدائیہ للقرآن
- جنت کی کنجی
- ایک عظیم انسان
- گر قبول افتد زہے افتد
- پاکیزہ محبت
- قرآنی رسم الخط
- رمضان کی دس خصوصیات
- اسلامی قانون